اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۳ | شوال المکرم ۱۴۴۳ھ | مئی ۲۰۲۲ء | شمارہ ۵

خیر الارشاد لحقوق العباد

بندوں کے حقوق (قسط دوم)

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے
زر سالانہ =/۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049
پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

خیر الارشاد لحقوق العباد

(بندوں کے حقوق) (قسط دوم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے خیر الارشاد لحقوق العباد اہتمام حقوق العباد کے متعلق یہ وعظ تحصیلدار صاحب جلال آباد ضلع مظفر نگر کے مکان پر ۲۴ جمادی الاول ۱۳۴۳ھ بروز شنبہ بوقت چاشت تخت پر کرسی رکھوا کر کرسی پر بیٹھ کر فرمایا جو ۳ گھنٹے پچاس منٹ میں ختم ہوا۔ ۵۰ کے قریب مرد اور عورتیں علاوہ موجود تھیں۔ علامہ مولانا ظفر احمد صاحب نے قلمبند فرمایا۔ اس وعظ میں حضرت رحمہ اللہ نے معاملات کی درستگی اور حقوق کی ادائیگی پر زور دیا اور تفصیل سے بیان کیا کہ کس کس کے کیا کیا حقوق ہمارے ذمہ واجب ہیں۔ اللہ پاک ہم سب کو حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔ امین

خلیل احمد تھانوی

۱۹/۱۲/۲۰۲۱

وعظ

خیر الارشاد لحقوق العباد

(بندوں کے حقوق) (قسط دوم)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	ایک رئیس کا قصہ	۷
۲	معلمین کی زیادتیاں	۸
۳	رسمی مشائخ کا ظلم	۹
۴	ہدیہ کی تعریف	۱۰
۵	خالی آنے جانے کا مسئلہ	۱۳
۶	سلطان جی کا ایصال ثواب کرنا	۱۴
۷	ایصال ثواب میں اعتقادی غلطی	۱۵
۸	صفائی معاملات	۱۶
۹	ایک شبہ اور اس کا جواب	۱۷
۱۰	حکام کا ظلم	۱۸
۱۱	حکومت حاصل کرنے سے بچنا	۱۹
۱۲	مثالی حکام	۲۰
۱۳	ایک بزرگ کا حال	۲۱
۱۴	احساس ذمہ داری	۲۲
۱۵	خلوص کی پہچان	۲۳
۱۶	اتلاف دین	۲۶
۱۷	بے ہودہ تاویلیں	۲۷
۱۸	چندہ جمع کرنے والوں کی کوتاہی	۲۸

۱۹.....	عذاب قبر کا واقعہ.....	۲۹
۲۰.....	اضرار دین.....	۳۰
۲۱.....	ایک بزرگ کا قصہ.....	۳۱
۲۲.....	مشورہ کی اہمیت.....	۳۱
۲۳.....	آج کل کا مشیر.....	۳۲
۲۴.....	میاں جی کی حکایت.....	۳۳
۲۵.....	لوگوں کے مظالم.....	۳۴
۲۶.....	خصوصی حقوق.....	۳۵
۲۷.....	اسلام میں حقوق کی اہمیت.....	۳۵
۲۸.....	بیوی کے حقوق.....	۳۶
۲۹.....	ہندوستان کی عورتوں کی صفت.....	۳۶
۳۰.....	بیوی کا خیال و دلداری.....	۳۸
۳۱.....	بیوی کی اہمیت.....	۴۰
۳۲.....	حضرت تھانویؒ کے والد کا قصہ.....	۴۱
۳۳.....	ترجمہ و تفسیر آیت.....	۴۲
۳۴.....	تکبر کا علاج.....	۴۳
۳۵.....	ظالموں کا انجام.....	۴۵
۳۶.....	محمود غزنویؒ.....	۴۵
۳۷.....	مفلس کی تعریف.....	۴۶
۳۸.....	حقوق العباد کی تلافی کا طریقہ.....	۴۷
۳۹.....	نیت کی برکات.....	۴۸
۴۰.....	اخبار الجامعہ.....	۵۰

نوٹ: گزشتہ وعظ کا آخری عنوان (زیادتی کی تلافی کی صورت) تھا

ایک رئیس کا قصہ

قصہ ان کا یہ ہے کہ میں جب کان پور میں تھا تو ہمارے مدرسہ میں ان رئیس کا بھانجا پڑھتا جو بہت ہی شریر تھا اس کی یہ حالت تھی کہ پائے خانہ کی دیواروں پر اساتذہ مدرسہ کے نام لکھتا تھا، لوگوں کو فکر ہوئی کہ کون نالائق ہے۔ آخر لوگوں نے خفیہ طور پر تفتیش کی اور پہلا لکھا ہوا سب مٹا کر یہ انتظام کیا کہ جو شخص پاخانہ سے نکلتا اس کے نکلنے کے بعد فوراً دیکھا جاتا کہ کچھ لکھا ہوا تو نہیں، آخر وہ لڑکا جو ایک دفعہ نکلا تو دیوار پر نام لکھے ہوئے پائے گئے اور اس کو پکڑ کر مدرسین کے پاس لایا گیا تو ایک مدرس نے سخت سزا دی حتی کہ مارتے مارتے بیہوش کر دیا اور اس کی جان کا خطرہ ہو گیا، بعض لوگوں نے اس کے ماموں کو اطلاع دی، فوراً کانپور آئے تو واقعی لڑکے کی حالت نازک تھی مگر علاج معالجہ سے افاقہ ہوا اور بچنے کی امید ہو گئی، شہر کے لوگوں نے ان کو بہت بہکایا کہ پولیس میں رپٹ لکھوا دو مگر وہ سمجھدار آدمی تھے انہوں نے گوارا نہ کیا کہ ایک دینی مدرسہ کی شکایت غیروں کے پاس لے جاؤں وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ صاحب میری عدالت تو آپ ہیں، میں آپکے یہاں استغاثہ کرتا ہوں، میں نے چپکے سے ان مدرس صاحب کے پاس رقعہ تو لکھا کہ تم اسی وقت اپنا استعفیٰ داخل کر دو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا پھر میں نے رئیس صاحب سے کہا کہ میرے پاس ان صاحب کا استعفیٰ ملازمت سے آ گیا ہے اور وہ آپ کے سامنے ہے اب ہم کو ان پر کوئی حق مواخذہ کا نہیں رہا کیونکہ وہ مدرسہ کے ملازم ہی نہ رہے اس لیے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ کا جہاں جی چاہے استغاثہ دائر کر کے انتقام لے لیجئے۔ وہ کہنے لگے کہ کیا آپ نے اس کا استعفیٰ منظور کر لیا ہے، میں نے کہا اور رد کرنے کا ہم کو کیا اختیار ہے وہ بیچارے بہت بڑے اہل آدمی تھے، کہنے لگے کہ یہ تو میری بڑی نحوست ہوئی کہ میری وجہ سے ایک عالم مدرسہ سے الگ ہوتے ہیں اور ان کا فیض مدرسہ سے بند ہو جاتا

(۱) غلطی کا احساس ہوا۔

ہے، میں اپنا استعفا واپس لیتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں کہیں استعفا نہ کروں گا، میں نے اپنا حق معاف کیا آپ ان کا استعفیٰ واپس کردیں ان کی اس اہلیت سے میں بہت خوش ہوا کہ شاباش مسلمان کو دین سے اتنی ہی محبت ہونا چاہئے۔ اس کے بعد ان کی عجیب خوش فہمی یہ تھی کہ مجھ سے کہنے لگے کہ میرا خیال یہ تھا اس کہ اس لڑکے کو اپنے ہمراہ لے جاؤں اور گھر پر اس کی تعلیم کا انتظام کروں مگر اب میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کو کچھ دنوں مدرسہ ہی میں رکھوں کیونکہ ابھی اگر میں اسے گھر لے گیا تو یہ اس حالت میں جائے گا کہ اس کے دل میں ایک عالم سے کینہ اور بغض ہوگا اور یہ اس کی آخرت کو مضر ہے اس لیے چند روز اس کو مدرسہ میں رکھا جاوے اور انہیں حضرت کے سپرد کیا جائے جنہوں نے اس کو مارا تھا اور ان کو کہہ دیا جائے کہ اب اس کے ساتھ شفقت وملاطفت کا ایسا برتاؤ کریں جس سے اس کے دل کا خار(۱) نکل جائے اور ان سے اس کو محبت ہوجائے پھر میں اسکو گھر بلالوں گا۔ واقعی میں اس کی سلامت فطرت پر حیران رہ گیا اور بے ساختہ میرے دل سے ان کے لیے دعا نکلی اور اس وقت ہی میری سمجھ میں یہ تدبیر آئی کہ بچوں پر زیادتی ہوجائے تو اس کی تلافی اس طرح کرنا چاہیے (دیکھئے بعضے دنیادار بھی کیسی سمجھ کے ہوتے ہیں)۔

معلمین کی زیادتیاں

بعضے میاں جی بچوں پر مار کا ظلم نہیں کرتے مگر اور طرح ظلم کرتے ہیں وہ یہ کہ ان سے اپنے گھر کی خدمت لیتے ہیں، کہیں پانی بھرواتے ہیں، کہیں آٹا پسواتے ہیں، کبھی مٹی ڈھواتے ہیں۔ یاد رکھو والدین کی اجازت کے بغیر نابالغ بچوں سے ایسی خدمت لینا جائز نہیں۔ بعضے میاں جی یہ کرتے ہیں کہ گرمیوں کی دوپہر میں خود تو سو رہتے ہیں اور بچوں سے پنکھا جھلواتے ہیں، یہ کتنا بڑا ظلم ہے، آخر جس طرح تم کو نیند آتی ہے ان کو بھی تو آتی ہے مگر بعضے لڑکے ان کے بھی چچا ہوتے ہیں۔ لوہاری میں ایک میاں جی تھے ان کے پاس جہاں سے کچھ مٹھائی آتی اور وہ حفاظت کے ساتھ رکھتے، لڑکے سب کھا جاتے اور کوئی ثبوت ہوتا نہ تھا۔ ایک مرتبہ کہیں سے بتاشے آئے انہوں نے بتاشوں

(۱) دل کا بغض۔

کولوٹے میں رکھ کر اوپر سے آٹا لگا کر منہ بند کر دیا جو سو کنے کے بعد بچوں سے دقت کے ساتھ کھلتا اور راز ظاہر ہو جاتا۔ اب لڑکے آئے اور سوچنے لگے کہ آج تو میاں نے بڑا انتظام کیا ہے اگر منہ کو کھولتے ہیں پتہ چل جائے گا، ایک لڑکے نے کہا میں اس کی ترکیب بتاتا ہوں، اس کی ٹونٹی میں پانی ڈالو، اس سے بتاشے گھل جائیں گے۔ پھر شربت کو سب پی جاؤ۔ چنانچہ ایسے ہی کیا اور لوٹا بند رہا۔ اب جو میاں جی نے کسی دن خوش خوش اس کے منہ کو کھولا وہاں کچھ بھی نہ تھا تو بعض لڑکے ان میاں جیوں کی بھی خوب گت بنا دیتے ہیں مگر اکثر یہی زیادتی کرتے ہیں۔ بعضے میاں جی دوسروں کے کام بھی بچوں سے لیتے تھے۔ مثلاً کوئی مر گیا تو اس کا تیجہ بچوں سے پڑھواتے ہیں اور بعضے میت کے گھروں پر بھی بھیج دیتے ہیں۔ کانپور میں بھی یہ رواج تھا کہ بچوں کو تیجے کے لیے لے جاتے ہیں، میں نے روک دیا کہ بچے مدرسہ میں تیجے کے واسطے نہیں آتے بلکہ نتیجہ کے واسطے آتے ہیں۔ یہاں سے اس کام کے لیے کوئی نہ جائے گا تب یہ سلسلہ بند ہوا۔ غرض بچوں سے ایسی خدمت لینا جائز نہیں جس میں والدین کی رضا نہ ہو اور اگر رضا بھی ہو تو جو خدمت بچوں کی طاقت سے باہر ہو یا خدمت خلاف سنت ہو (جیسے تیجہ کے دانے پڑھوانا ۱۲) وہ بھی جائز نہیں۔ میاں جیوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیئے۔

رسمی مشائخ کا ظلم

ایک طبقہ اور ہے جو بچوں کی جان و مال پر ظلم کرتا ہے وہ رسمی مشائخ(۱) کا طبقہ ہے یہ تو مریدوں کو اپنی ملک سمجھتے ہیں اور ان سے آئے دن فرمائش کرتے ہیں، کبھی پاؤں دبواتے ہیں، کبھی پنکھا جھلواتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ اب کے آؤ تو انگور لانا، بعضے گھوڑے کے لیے گھاس منگواتے ہیں اور ایسی خدمتیں لیتے ہیں جو اکثر ان پر بار(۲) ہوتی ہیں۔ یاد رکھو یہ بھی جائز نہیں ہے۔ کیسا ہی مخلص مرید ہو از خود اس سے کوئی فرمائش نہ کرنا چاہیے ورنہ تمہاری وہ حالت ہوگی جیسے ایک مرید نے کہا تھا کہ میں نے خواب

(۱) بناوٹی مشائخ (۲) بوجھ۔

دیکھا ہے کہ آپ کی انگلیاں تو شہد میں بھری ہوئی اور میری انگلیاں پاخانے میں، وہ بڑے خوش ہوئے کہنے لگے کیوں نہ ہو، بحمداللہ ہم پاک صاف ہیں اور تم دنیادار گندگیوں کے اندر بھرے ہوئے ہو، کہنے لگا حضور یہ تو سچ ہے مگر ابھی خواب پورا نہیں ہوا۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیاں میں چاٹ رہا ہوں اور میری انگلیاں آپ چاٹ رہے ہیں۔ اب تو وہ بڑے جھلائے کہ نالائق ہے مردود ہے، کہنے لگا حضور میں نے خواب بیان کیا ہے جو دیکھا تھا وہی عرض کردیا۔ واقعی اگر یہ خواب تھا تو اس کی تعبیر ظاہر ہے کہ مرید تو شیخ سے دین حاصل کررہا ہے اور شیخ مرید سے دنیا وصول کررہا ہے اگر اس نے گڑھا تھا تو بہت ہی موقع کے مطابق گڑھا۔

ہدیہ کی تعریف

اس لیے مشائخ کو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ مریدوں کی دنیا پر نظر نہ کریں اور از خود کسی سے کچھ فرمائش نہ کریں، ہاں کسی سے بہت ہی بے تکلفی ہو جہاں بار(۱) ہونے کا مطلق احتمال نہ ہو۔ اس سے کوئی بہت ہی ہلکی فرمائش کا مضائقہ نہیں مگر ایسے مخلص ہزار میں ایک دو ہی ہوتے ہیں۔ عام حالت یہی ہے کہ لوگوں کو فرمائش سے گرانی ہوتی ہے بلکہ خود ہدایا میں بھی جن کی خود فرمائش بھی نہیں کی جاتی، خلوص ومحبت کی رعایت سخت ضروری ہے، ہر وقت ہدیہ قبول کرنے کو تیار نہ بیٹھے رہا کریں کیونکہ بعض لوگ محض اس خیال سے ہدیہ دیتے ہیں کہ اگر نہ دیں گے تو شیخ کو یہ خیال ہوگا کہ اس کو ہم سے محبت نہیں یا دوسرے یہ سمجھیں گے کہ اس کا تعلق نہیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں خلوص کہاں (خلوص ومحبت کے تو یہ معنی ہیں کہ ہدیہ دینے والے کو دنیا کی غرض سے تو کیا آخرت کی بھی غرض مقصود نہ ہو یعنی ثواب کا بھی قصد(۲) نہ ہو کیونکہ ثواب کے لیے کچھ دینا صدقہ ہے ہدیہ نہیں ہے، ہدیہ وہ ہے جو محض تطییب قلب مہدی لہ(۳) کے لیے دیا جائے۔ گو تطییب قلب مسلم(۴) بھی ثواب کا موجب ہے اور اس سے ثواب کی

(۱) بوجھ ہونے کا بالکل احتمال نہ ہو (۲) ارادہ (۳) جس کو ہدیہ دیا جارہا ہے اس کا دل خوش کرنے کے لیے دیا جائے (۴) مسلمان کا دل خوش کرنے پر بھی ثواب ملتا ہے۔

نیت مذموم نہیں مگر ثواب اعطاء کا (۱) قصد نہ ہونا چاہیے۔ (کذا قالہ الشیخ) اور فکر کے بعد خلوص ومحبت کی پہچان ہوجاتی ہے پھر دھوکہ کم ہوتا ہے، ہمیشہ سے اس کی فکر ہے، گو کبھی دھوکہ بھی ہوجاتا ہے۔ چنانچہ بحمد اللہ مجھے اس کی پہچان میں ملکہ ہوگیا ہے بہت کم دھوکہ ہوتا ہے کیونکہ ہمیشہ سے اس کی فکر ہے، گو کبھی دھوکہ بھی ہوجاتا ہے کیونکہ آخر بشر ہوں اور وہ بھی باء جارہ کے ساتھ (۲) نہ کہ فاء فعل کے ساتھ مگر ایسا شاذ ونادر ہوتا ہے۔

میرے پاس آج کل ہی میں تین خط آئے اور تینوں ساتھ ہی آئے اور ایک ہی جگہ سے چلے ہوئے تھے غالباً بہار کی طرف سے آئے تھے اور تینوں کا طرز خط بھی یکساں تھا۔ ایک خط میں لکھا تھا کہ میں ڈیڑھ سو روپیہ ہدیہ بھیجنا چاہتا ہوں جس کے لیے اجازت کا طالب ہوں، دوسرے میں ایک سو اٹھارہ روپے لکھے تھے اور تیسرے میں شاید صرف اٹھارہ روپے تھے، مجھے ایک ہی دن میں تین خطوط کے آنے سے شبہ ہوا۔ پھر مضمون اور رسم الخط یکساں دیکھ کر یہ شبہ قوی ہوگیا کہ شاید ان سب میں کچھ مشورہ ہوا ہے یا ایک ہی شخص نے بدل کر تین خط بھیجے ہیں۔ اب میں بڑا پریشان ہوا کہ کیا جواب دوں، اگر منظور کرلوں کہ ہاں بھیج دو تو اس کے ساتھ یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ محض باہمی مشورہ اور ان لوگوں کو امتحان مقصود ہو تو اس جواب سے دین کی سبکی ہوگی اور اگر انکار کروں تو شبہ تھا کہ شاید ان لوگوں نے خلوص سے لکھا ہو۔ سو محض اپنے گمان پر میں مخلصین کی دل شکنی کیسے کروں، اگر پھر گمان بھی اتنا ہی ہوا تھا کہ شاید باہم مشورہ ہوا ہے۔ سو مشورہ میں بھی خلوص ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے یہاں کسی طالب علم کو یہ شبہ پیدا ہوا ہو کہ جب عدم خلوص کا علم نہ تھا تو قبول کرنا حلال تھا۔ ہاں بیشک یہ صحیح ہے مگر جب تھوڑی

(۱) یہ ارادہ نہ ہو کہ ثواب ضرور دیا جائے (۲) حضرت تھانویؒ ایک باریک نکتہ کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ بشر میں تین حرف ہیں۔ ب۔ش۔ر جو فعل کے وزن پر ہے اس میں باء فاء کلمہ ہے یہ مراد نہیں بلکہ بشر کی باء کو جارہ قرار دیا جائے۔ تو شر الگ کلمہ ہوا اور انسان میں چونکہ خیر وشر دونوں ہیں اس لیے اس شر کی وجہ سے دھوکہ کھاتا ہوں اگر باء کو فاء کلمہ قرار دیں تو معنی ہوں گے خوش فہمی۔ مطلب یہ ہے کہ انسان ہونے کے ناطے دھوکہ کھاجاتا ہوں کسی خوش فہمی کی بنا پر دھوکہ نہیں کھاتا۔

سی کوشش سے علم حاصل ہو سکے تو سستی کیونکر جائز ہوگی۔ بات یہ ہے کہ باہم مشورہ میں گو خلوص ہوسکتا ہے مگر بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک کی رائے ہوتی ہے ایک کی نہیں ہوتی، وہ محض شرما شرمی سے شریک ہوجاتا ہے اور یہی اغلب واکثر (۱) ہے۔ مشورہ میں سب کا خلوص نادر ہے تو اس احتمال قوی کے ہوتے ہوئے ان ہدایا کا مطلقاً قبول کرلینا کیونکر جائز ہوتا اور ترجیح کے لیے کسی مرجح (۲) کی ضرورت تھی، یہاں مرجح کوئی تھا نہیں کیونکہ میں ان کا تبین (۳) میں سے کسی سے بھی واقف نہ تھا اس لیے میں نے اس شبہ کے زائل کرنے کی تدبیر سوچی اور جو شخص اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا چاہتا ہے حق تعالیٰ اس کی امداد فرماتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری امداد فرمائی اور یہ دل میں آیا کہ ابھی نہ اقرار کرنا چاہیے نہ انکار بلکہ ان لوگوں سے استفسار (۴) کرنا چاہیے کہ مجھ کو یہ شبہ ہوا ہے آیا صحیح ہے یا نہیں۔ اس کے بعد جو کچھ جواب آئے گا اسے اصل حقیقت معلوم ہوجائے گی چنانچہ میں نے ہر شخص کو یہی لکھ دیا کہ آپ کا خط آیا ہے اور تعجب ہے کہ اس کے ساتھ اسی دن کی ڈاک میں دو خط اسی مضمون کے اور آئے اور جن کا رسم الخط بھی اسی خط سے ملتا ہوا تھا۔ اس اتفاقی اجتماع سے مجھے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید باہم کچھ مشورہ ہوا ہے۔ آیا میرا یہ خیال صحیح ہے یا غلط، اس جواب کو لکھے ہوئے تقریباً دس بارہ دن ہوگئے مگر آج تک بھی ان کا خط نہیں آیا بس سب خاموش ہوکر بیٹھ رہے ہیں۔ میں نے خدا تعالیٰ کا بہت شکر ادا کیا کہ اس نے دنیا داروں کی چالاکی وتحقیر سے بچالیا اور صاحب ہماری عزت تو کیا چیز ہے مگر اہل علم کی حرص وغیرہ سے لوگ دین اور علم کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔ پس مشائخ کو اس میں بہت احتیاط کرنا چاہیے اور بدوں سوچے سمجھے ہر ایک کا ہدیہ قبول نہ کیا کریں التزام (۱) میں خلوص نہیں ہوتا۔

(۱) زیادہ گمان اسی کا ہے اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے (۲) ترجیح دینے کے لیے وجہ ترجیح ضروری ہے (۳) لکھنے والوں (۴) پوچھنا چاہئے (۵) پابندی کرنے میں۔

خالی آنے جانے کا مسئلہ

اور یہ مشہور ہے کہ خالی جاوے خالی آوے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو خلوص سے خال جاوے وہ فیوض سے خالی آوے۔ یہ مطلب نہیں کہ جو فلوس(۱) سے خالی جاوے وہ بھی محروم ہی آتا ہے اور اگر کسی کو ایسا ہی التزام(۲) کا شوق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا اہتمام نہ کرے کہ ہر دفعہ بڑھیا چیز ہی لے جاوے بلکہ کبھی کبھی معمولی چیزیں بھی لے جایا کرے (مثلاً مسواک لے گئے یا ایک دو پیسہ کی روشنائی ہی لے گئے، یا ایک دو قلم لے گئے، کبھی دو چار خوشبودار پھول لے آئے وغیرہ وغیرہ ۱۲) بزرگان سلف ایسا ہی کرتے تھے کہ جب ہدیہ کا شوق ہوا تو جو چیز بھی ملی خواہ کیسی ہی معمولی ہو وہی لے گئے اس کے لیے اہتمام اور تکلف نہ کرتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک بزرگ دوسرے بزرگ سے ملنے گئے راستہ میں خیال ہوا کہ کچھ ہدیہ لے چلنا چاہیے، کوئی دوسرا ہوتا تو گھر واپس آتا مگر انہوں نے یہ کیا کہ جنگل میں سے کچھ سوکھی ہوئی لکڑیاں اٹھالیں اور لاکر ان بزرگ کے سامنے رکھ دیں کہ یہ لکڑیاں حضرت کے لیے پانی گرم کرنے کو لایا ہوں، وہ بزرگ اس ہدیہ سے بڑے خوش ہوئے اور اس کی ایسی قدر کی کہ فوراً اپنے خادم کو بلایا اور کہا کہ لکڑیاں بہت حفاظت سے رکھو جب ہم مرجائیں تو ہمارے غسل کے لیے اس سے پانی گرم کیا جاوے۔ امید ہے کہ حق تعالیٰ اس ہدیہ حلال وخالص کی برکت سے میری مغفرت فرمادیں۔ سبحان اللہ! کیسے قدردان لوگ تھے تو اس طرح اگر التزام بھی کرو تو کچھ مضائقہ نہیں اگر گھاس پھوس نہ ملے تو کم از کم دو چار مٹی کے ڈھیلے ہی استنجاء کے لیے لے جائے اور اگر یہ خیال ہو کہ ایسے حقیر ہدیہ سے شیخ ناخوش ہوں گے اور اس کی قدر نہ کریں گے تو یاد رکھو ایسا شخص شیخ بنانے کے قابل نہیں جس کو خلوص کی قدر نہ ہو، فلوس ہی کی قدر ہو، صاحب تم کرکے دیکھو محبت کی قدر ضرور ہوجاتی ہے، چاہے ہدیہ ظاہر

(۱) پیسوں (۲) اگر کسی کو شوق ہو کہ ہر ملاقات میں کچھ ہدیہ لیکر جاؤں۔

میں قلیل (۱) ہی ہو اور دنیا میں قدر نہ ہو تو خدا کے یہاں تو ضرور قدر ہوگی۔

سلطان جی کا ایصال ثواب کرنا

حضرت سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابائنا وامھاتنا وارواحنا وما بایدنا ۱۲) کی روح پر فتوح کو ثواب پہنچانے کے لیے کھانا پکوایا تھا (کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہدیہ ثواب سے زیادہ اور کس چیز میں وہ خرچ کرتے ۱۲) کھانا تیار ہو گیا تو خدام نے اجازت چاہی کہ اس کو اٹھا کر تقسیم کر دیا جائے۔ سلطان جی نے فرمایا کہ ابھی ذرا ٹھہرو، پھر کچھ دیر کے بعد پوچھا تو فرمایا ابھی ٹھہرو، کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ اب تقسیم کرو۔ کسی خادم نے وجہ پوچھی کہ آپ کو کس کا انتظار تھا، پہلے بار بار انکار کیوں تھا اور اب اجازت کیسے دے دی، فرمایا اس وقت میرے بھائی علی احمد صابر نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پر فتوح کی ثواب کے لیے بھونے ہوئے چنے تقسیم کئے تھے تو میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمہ تن ادھر متوجہ ہیں تو ایسی حالت میں میں نے اپنا کھانا تقسیم کرنا نہیں چاہا بلکہ میں نے یہ چاہا کہ ذرا حضور ادھر متوجہ ہوں تو کھانا اٹھاؤں، تو دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت صابر کے چنے اس قدر محبوب تھے کہ آپ ہمہ تن اس طرف متوجہ تھے حالانکہ حضرت سلطان جی کے کھانے ظاہر میں ان سے بہت بڑھے ہوئے تھے مگر چونکہ حضرت صابر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس زیادہ سامان نہ تھا انہوں نے ساری عمر گولر اور درخت کے پتے کھا کر ہی گزار دی حتی کہ چند سیر سے زیادہ اناج عمر بھر میں بھی ان کے پیٹ میں نہیں پہنچا۔ واقعی بڑے صابر تھے مگر آج کل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جیسا ہدیہ ہوگا ویسا ہی ثواب ہوگا، اگر ہدیہ قلیل ہو تو ثواب بھی قلیل ہوگا۔ صاحبو! یہ صحیح نہیں بلکہ وہاں تو خلوص کو دیکھا جاتا ہے اگر ہدیہ قلیل ہو مگر خلوص زیادہ ہو تو ثواب زیادہ ملے گا اور ہدیہ زیادہ ہو تو خلوص کم ہو تو ثواب کم ہوگا۔ البتہ اگر دونوں زیادہ ہوں، خلوص بھی اور ہدیہ بھی تو بے شک یہ نور علی نور ہوگا۔ ہاں اس کے بعد پھر اس کو بھی دیکھا جاتا ہے جس نے زیادہ دیا ہے، وہ صاحب وسعت ہے اور جس نے کم دیا ہے وہ صاحب

(۱) تھوڑا ہی ہو۔

وسعت نہیں، تو باوجود خلوص میں برابر ہونے کے بھی کم وسعت والے کا ہدیہ صاحب وسعت کے ہدیہ سے بڑھ جائے گا۔ ۱۲)

ایصال ثواب میں اعتقادی غلطی

بعض لوگوں میں ایک غلطی اعتقادی یہ بھی ہے کہ ثواب کو نوعیت میں بھی کھانے کے موافق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شیر خوار بچوں کے لیے ایصال ثواب میں دودھ دیتے ہیں، گوشت نہیں دیتے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے دانت کہاں ہیں جو گوشت کھائیں، اسی طرح شہداء کو سبیل میں شربت کا ثواب پہنچاتے ہیں کیونکہ وہ پیاسے شہید ہوئے تھے اس میں علاوہ اس اعتقادی غلطی کے دوسری غلطی یہ بھی ہے کہ گویا ان کے نزدیک شہداء اب تک پیاسے ہی ہیں۔نعوذ باللہ! اے صاحب انہوں نے تو مرتے ہی جنت کا ایسا شربت پیا ہوگا جس سے عمر بھر بھی پیاس نہ لگے، اس کے متعلق خیرآباد کے ایک بزرگ کا قصہ مشہور ہے کہ ان کے ایک مرید نے زندگی میں ان کی فاتحہ کی تھی۔ جب وہ فاتحہ دلا کر ان سے ملنے آیا تو فرمانے لگے کہ بھائی ذرا فاتحہ دیتے ہوئے گرم ٹھنڈے کا تو خیال کرلیا کرو، تم نے فاتحہ میں فرینی ایسی جلتی ہوئی دی کہ اب تک میری زبان میں چھالے پڑے ہوئے ہیں حالانکہ مرید نے اپنے گھر پر فاتحہ دی تھی مگر وہ جلتی جلتی ہی فقیروں کے منہ سے پیر صاحب کے منہ میں پہنچ گئی ہمیں یہ قصہ گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے، واہیات۔ بھلا ایصال ثواب سے دوسروں کو ثواب پہنچتا ہے یا وہی کھانا پہنچتا ہے۔ یقیناً ثواب پہنچتا ہے اور ثواب گرم ٹھنڈا ہوتا نہیں بلکہ وہ نیکیاں ہیں جو مہدی لہ(۱) کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں جس کا صلہ جنت کے درجات ہوتے ہیں۔ بہرحال یہ قصہ محض لغو ہے، ثواب کے لیے تو نص قطعی ہے۔

لَن يَنَالَ ٱللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ ٱلتَّقۡوَىٰ مِنكُمۡ (۲) کہ خدا کے یہاں نہ قربانی کے جانوروں کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون بلکہ وہاں تو تقویٰ (اور

(۱) جس کو ہدیہ کیا گیا ہے (۲) سورۃ الحج: ۳۷۔

خلوص) پہنچتا ہے۔ اس نص سے عوام کی غلطی ظاہر ہوگئی جو ثواب کو کھانے کے موافق سمجھتے ہیں اور اسی نص کے موافق اہل اللہ کے یہاں بھی خلوص کی قدر ہوتی ہے۔ گو ظاہر میں ہدیہ قلیل ہو۔ چنانچہ ان بزرگ نے لکڑیوں کے گٹھڑ کی یہ قدر کی کہ اس کو اپنے جنازہ کے غسل کے لیے احتیاط سے رکھوایا۔ بعض دفعہ اہل اللہ تو کسی کے ہدیہ کی تحقیر نہیں کرتے مگر ان کے خدام تحقیر کرتے ہیں تو خدام کی رعایت نہ کرنا چاہیے اور مشائخ کو چاہیے کہ کسی کو اپنے خادم خاص نہ بنائیں جس کو ان کے کاموں میں زیادہ دخل ہو۔ بعض دفعہ یہ حواشی غضب کرتے ہیں کہ مریدوں کے ہدایا کی تحقیر کرتے ہیں اور بعض مریدوں کی شکایتیں شیخ سے کرتے رہتے ہیں جس کو چاہتے ہیں بڑھا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں گرا دیتے ہیں۔ پھر شیخ بھی آخر بشر ہے(۱)، سنتے سنتے کچھ اثر اس کے قلب پر بھی ہو ہی جاتا ہے اس لیے میں تو بجائے حواشی کے ان کو مواشی (۲) کہتا ہوں۔ غرض ظلم سے بہت کم لوگ بچے ہوئے ہیں۔ مشائخ تو مریدوں کی جان میں تصرف کرتے ہیں اور میاں جی بچوں کی جان میں اور رؤسا غریبوں کی جان میں۔

صفائی معاملات

بعض جگہ رؤسا میں یہ دستور ہے کہ چوپال میں بیٹھے ہوئے ہیں اور سامنے سے کوئی غریب مزدور سر پر بوجھ رکھے ہوئے گزرا تو اس کو بلا کر کہہ دیا کہ بوجھ تو یہاں رکھ دے اور فلاں جگہ جا کر یہ کام کر آ، یہ صریح ظلم ہے کیونکہ اس سے لوگوں پر عموماً ناگواری ہوتی ہے۔ وہ غریب بیچارہ رئیس کے ڈر سے کچھ نہیں کہتا مگر اس کا دل ہی جانتا ہے کہ اس کا وقت کیسا کھوٹا ہوا۔ اگر کام ہی لینا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے کہو کہ ہم کو فلاں جگہ ایک آدمی بھیجنے کی ضرورت ہے اور اتنی مزدوری دیں گے اگر تجھے مزدوری لینا ہو تو بوجھ رکھ کر یہ کام کر لے۔ غرض غریب کا دل خوش کر کے پھر کام اور غریب کا خوش کر دینا ہی کیا مشکل کام ہے دو چار آنے کے پیسوں میں بے چارہ خوش

(۱) انسان ہی تو ہے (۲) جانور۔

ہوجاتا ہے مگر تراضی طرفین (۱) سے ہو۔

بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ ٹم ٹم اور گاڑی کا کرایہ طے نہیں کرتے نہ قلی کی مزدوری چکاتے ہیں۔ بعض بے کہے سنے سوار ہوگئے یا مزدور کے سر پر بوجھ لادد یا اور بعد میں سرکاری نرخ کے موافق کرایہ دیتے ہیں تو یاد رکھو یہ جائز نہیں بلکہ کرایہ اول چکانا چاہیے (۲)۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اس پر بعض لوگوں کو شبہ ہوگا کہ لیجئے حکومت نے تو ٹم ٹم والوں اور قلیوں کی زیادتی سے مسافروں کو محفوظ کرنے کے لیے ایک نرخ مقرر کیا تھا، شریعت نے اس کو بھی ناجائز کردیا جس کا مطلب یہ ہے کہ بس جتنا بھی کوئی مانگے وہی دو چاہے لٹ ہی جاؤ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے ظلم کو روکنا چاہا۔ نیز اس سے بچانا چاہا کہ بعد میں نزاع نہ ہو۔ سو ظاہر ہے کہ مزدور سے بلا رضامندی کام لینے کا کسی کو کیا حق ہے۔ باقی حکومت نے جس مصلحت سے نرخ نامے مقرر کیے ہیں شریعت اس کو فضول نہیں کہتی مگر اس کی صورت شریعت کے موافق یہ ہے کہ ٹم ٹم والے سے یا قلی سے کام لینے سے پہلے صاف کہہ دو کہ ہم سرکاری نرخ نامے کے موافق تم کو کرایہ یا مزدوری دیں گے اس سے زیادہ نہ دیں گے۔ اگر خوشی ہو قبول کرلو، اگر وہ اس پر بھی آپ کو بٹھالے یا سامان اٹھالے تو پھر سرکاری نرخ کے موافق کرایہ دینا جائز ہے کیونکہ آپ نے اب معاملہ صاف کرلیا اور دوسرے نے بخوشی اس کو منظور کرلیا ہے۔ پس تم سرکاری نرخ نامے کے موافق ہی دو مگر پہلے کہہ دو۔ یہ نہیں کہ اول تو خاموش سوار ہوجاؤ اور بعد میں سرکاری نرخ کے حساب سے دو کیونکہ ممکن ہے کہ ٹم ٹم والے نے اس مزدوری کے خیال سے آپ کو نہ بٹھایا ہو بلکہ ٹم ٹم والوں کے عام رواج کے موافق مزدوری لینا چاہتا ہو، پھر بعد میں نزاع (۳) ہوگا۔ چنانچہ ہم نے اکثر لوگوں سے نزاع ہوتے ہوئے دیکھا ہے (اگر انسان میں تھوڑی سی

(۱) رضامندی دونوں طرف سے ہو (۲) طے کرنا چاہئے (۳) جھگڑا۔

بھی شرافت ہوتو وہ بعد کے نزاع کو ہرگز گوارا نہ کرے گا۔ یہی شریعت کی تعلیم ہے کہ مزدوری اور کرایہ اول طے کرلو چاہے سرکاری نرخ ہی کے موافق طے کرلو، بدوں صفائی کے کسی چیز سے منتفع نہ ہو)۔

حکام کا ظلم

اسی طرح بعض حکام یہ ظلم کرتے ہیں کہ دورہ کے وقت کہیں سے بلا قیمت دودھ منگواتے ہیں، کہیں سے پھل منگواتے ہیں اور بعض جگہ قصبات کے رؤسا ان کے لیے یہ چیزیں بھیجتے ہیں۔ پہلی صورت تو صریح ظلم ہے اور دوسری صورت رشوت میں داخل ہے اور اس میں بھی اکثر ظلم کرکے ان سے لیتے ہیں اور حکام کے ڈیرہ پر پہنچاتے ہیں۔ جب حکومت کی طرف سے دورہ کرنے والوں کو ماہوار تنخواہ ملتی ہے اور دورہ کا بھتہ بھی ملتا ہے پھر ان کو بستی والوں سے یہ چیزیں لینے کا کیا حق ہے۔ مسلمانوں کو اس طریقہ سے بچنا چاہیے۔

بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ حاکم خود تو منتظم ہوتا ہے کسی سے رشوت نہیں لیتا نہ کسی پر ظلم کرتا ہے مگر ان کے متعلقین چپڑاسی وغیرہ ظلم کرتے ہیں۔ اس لیے حاکم تنہا اپنی احتیاط سے نجات نہیں پاسکتا بلکہ اس کا انتظام بھی اس کے ذمہ ہے کہ متعلقین بھی ظلم نہ کرنے پائیں جس کی صورت یہ ہے کہ عام طور سے اشتہار دے دے کہ میرے یہاں رشوت کا بالکل کام نہیں اس لیے اگر میرے عملہ میں سے کوئی شخص کسی سے رشوت لے تو ہرگز کوئی نہ دے بلکہ ہم سے اس کی اطلاع کرے۔ پھر اطلاع کے بعد جس نے ایسی حرکت کی ہو اس سے رقم واپس کرائے اور کافی سزا دے۔ نیز جو شخص حاکم سے ملنے آئے اس کو خود جاکر دروازہ سے باہر تک پہنچائے تاکہ نکلتے ہوئے کوئی چپڑاسی وغیرہ اس کو تنگ نہ کرے۔ قرآن میں نص ہے۔ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ٱسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَٰمَ ٱللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُۥ (۱)

(۱) ''اور اگر کوئی شخص مشرکین میں سے آپ ﷺ سے پناہ کا طالب ہوتو آپ اس کو پناہ دیجئے تاکہ وہ کلام الٰہی سن سکے پھر اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجئے'' سورۃ التوبۃ: ۶

علت سے اس کے عموم میں یہ صورت بھی قیاساً داخل ہے۔ نیز حکام کو بھی یہ چاہیے کہ لوگوں کے تعلقات براہ راست اپنے سے رکھیں، کسی شخص کو واسطہ نہ بنائیں کیونکہ یہ واسطے بہت ستم ڈھاتے ہیں۔ اگر یہ کہو کہ صاحب! یہ تو بڑا مشکل ہے تو میں کہوں گا ہاں بیشک بڑا مشکل ہے مگر حکومت کرنا آسان نہیں۔ یہ منہ کا نوالہ نہیں، حاکم ہر وقت جہنم کے کنارے پر ہے۔ اگر جہنم کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو اس کی صورت یہی ہے اور تم نے تو یہ بلا خود اپنے سر لی ہے۔ تم نے کوشش کر کے اور سفارشیں کرا کے حکومت حاصل کی ہے پھر اس کے حقوق ادا کرنے سے کیوں جان چراتے ہو جو بلا خود تم نے اپنے سر لی ہے اس کا مزہ چکھو۔

حکومت حاصل کرنے سے بچنا

صاحبو! حکومت وہ چیز ہے کہ حضرات سلف تو اس سے بھاگتے تھے، ماریں کھاتے تھے اور قبول نہ کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے آپ مقلد کہلاتے ہیں اسی پر شہید کئے گئے۔ خلیفہ وقت نے ان کو کئی دفعہ عہدہ قضا پر مامور کیا مگر انکار کر دیا کیونکہ ان کو یہ حدیث یاد تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (من جعل قاضیا فقد ذبح بغیر سکین)(۱) یعنی جو شخص قاضی بنا دیا گیا وہ بدوں چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ اس لیے امام صاحب عذر کرتے تھے۔ آخر اسی بات پر امام صاحب قید کئے گئے اور قید خانہ ہی میں زہر دے کر شہید کیے گئے۔ یہ سب کچھ گوارہ تھا مگر حکومت منظور نہ تھی۔

صاحبو! سلف کی یہ حالت تھی کہ جب خلفاء کسی عالم کو قاضی بنانا چاہتے اور وہ قضا کی مذمت اور وعید میں ان کو احادیث سناتے تو سلاطین ان کی خوشامد کرتے تھے کہ اچھا ہم تم کو چھوڑے دیتے ہیں مگر للہ یہ باتیں دوسروں سے نہ کہنا ورنہ سب لوگ قضاء کو چھوڑ دیں گے۔ لیکن یہ وعیدیں اسی حاکم کے لیے ہیں جو حکومت کے حقوق ادا نہ کرے اور جو عدل وانصاف کا اہتمام کر کے اس کے حقوق ادا کرے تو اس کے لیے قیامت میں

(۱) المسند الامام احمد ۲/ ۳۶۵، شرح السنۃ للبغوی: ۱۰/ ۹۲

عرش کا سایہ بھی ہے۔

مثالی حکام

مگر اب دیکھئے کہ جن لوگوں نے اس کے حقوق ادا کیے ہیں ان کی کیا حالت تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام کا دورہ کیا ہے تو آپؓ کے ساتھ کل یہ سامان تھا کہ ایک غلام تھا اور ایک اونٹ، اسی پر آقا اور غلام دونوں باری باری سوار ہوتے تھے اور کھانے کے لیے ستو کا ایک تھیلا تھا اور ایک کھجور کا، بس سارے راستہ اسی کو گھول کر پی لیا اور دو چار کھجوریں کھالیں نہ ساتھ میں خیمہ تھا نہ گھوڑے تھے نہ بہت لاؤ لشکر تھا۔ پھر راستہ میں جہاں ٹھہرتے تھے وہاں استقبال کرنے کی ممانعت تھی نہ کسی سے ہدیہ لیتے تھے نہ کسی گاؤں سے دودھ اور جنس منگاتے تھے۔ یہ تو خلیفہ کی حالت تھی۔

اب سردارِ لشکر کی حالت سنئے! جس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام میں پہنچے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر العسا کر اسلامیہ(۱) کے خیمہ میں داخل ہوئے تو دیکھا نہ وہاں فرش وفروش ہیں نہ کچھ زیب وزینت ہے، بس چمڑہ کا بستر تھا اور خیمہ کی چوب میں ایک تھیلا لٹکا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ ابوعبیدہ! اس تھیلا میں کیا ہے فرمایا: اس میں روٹی کے سوکھے ہوئے ٹکڑے ہیں، افطار کے وقت ان کو بھگو کر کھالیتا ہوں۔ فرمایا: اے ابوعبدہ! تم اس وقت ملک شام میں ہو جہاں قسم قسم کی نعمتیں ہیں، ہر چیز ارزاں ہے، تم یہ سوکھے ٹکڑے کس لیے کھاتے ہو، اپنے کو راحت کیوں نہیں دیتے، کہا اے امیر المؤمنین! کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ کی معیشت یاد نہیں کہ حضور ﷺ نے کس طرح زندگی بسر کی ہے، بس میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ حضور ﷺ کی طرح زندگی گزاروں۔ امیر المؤمنین! زندگی ایک دن ختم ہونے والی ہے چاہے اس کو راحت سے گزارو یا مشقت سے، اس وقت متنعم اور غیر متنعم (۲) سب یکساں ہوں گے۔ یہ باتیں سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رونے لگے اور وہ

(۱) اسلامی لشکر کے امیر (۲) ناز ونعم میں زندگی گزارنے والا اور بغیر ناز ونعم کے زندگی گزرنے والا

بھی روتے رہے۔

ایک بزرگ کا حال

اس مضمون میں ایک بزرگ کا قطعہ عجیب ہے جو انہوں نے ایک رئیس کے جواب میں لکھا ہے۔ غالباً رئیس نے ان کی تکلیف کا حال سن کر لکھا تھا کہ آپ میرے پاس آجائیں تو یہاں آپ کو خوب راحت ملے گی۔ وہ جواب میں لکھتے ہیں۔

خوردن تو مرغ مسمی وے   خوردن ما نانکِ جوین ما
پوششِ تو اطلس ودیبا حریر   بخیہ زدہ خرقہ پشمین ما(۱)

اسی طرح سب چیزوں کا موازنہ کر کے فرماتے ہیں

نیک ہمیں است کہ می بگزرد   راحت تو محنتِ دو شین ما

فرماتے ہیں کہ ہاں بے شک اس وقت تیرا کھانا ہمارے کھانے سے اچھا اور لباس ہمارے لباس سے اچھا ہے مگر یہی حالت اچھی ہے جو گزر رہی ہے۔

باش کہ تاطبل قیامت زنند   آں تو نیک آمد ویا این ما

قیامت آنے دو اس وقت معلوم ہوجائے گا کہ کس کی حالت اچھی ہے (اہل اللہ کو خدا پر بھروسہ ہوتا ہے اس سے یہ فرمادیا، فخر کی نیت نہ تھی۔ کیونکہ وہ آپ سے زیادہ ترساں ولرزاں رہتے ہیں۔ ان کو فخر کی کہاں مہلت ہے۔ کبھی تحدث بالنعمۃ کے طور پر کچھ کہہ دیتے ہیں جو صورت دعویٰ میں ہوتا ہے مگر واقع میں دعویٰ نہیں ہوتا) سرمد اسی مضمون کو اسی طور سے فرماتے ہیں۔

منعم کہ کباب میں خودرد می گزرد   وربادۂ ناب می خورد ومی گزرد

یعنی کباب وشراب کھانے والے بھی مریں گے اور فاقہ کرنے والے بھی مریں گے جس کا آگے ذکر ہے۔

---

(۱) ''تیری غذا مرغ مسلم ہے ہماری خوراک نان جویں ہے، تیرا لباس اطلس ودیبا وحریر کا ہے ہمارا خرقہ پیوند زدہ ہے''

سرمد کہ بکاسۂ گدائی نان را تر کرد بآب می خورد می گزرد(۱)

غرض سلف کے پیش نظر یہ باتیں تھیں۔ ان کو حکومت میں مزا کہاں تھا۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

مرا در منزل جاناں چہ امن وعیش چوں ہر دم جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محمل ہا(۲)

واقعی جس کو یہ فکر ہو کہ یہاں سے ایک دن جانا ہے وہ کس طرح چین سے بیٹھ سکتا ہے۔

احساس ذمہ داری

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ دو پہر کو سخت گرمی میں سر پر چادر ڈالے ہوئے ایک اونٹ کی تلاش میں جارہے تھے۔ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بالاخانے پر بیٹھے تھے۔ دور سے دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ شاید امیر المؤمنین جارہے ہیں۔ جب قریب آئے تو پکارا اے امیر المؤمنین! آپ اس دھوپ اور لُو میں کہاں جارہے ہیں۔ فرمایا: بیت المال کا ایک اونٹ گم ہوگیا ہے اس کی تلاش میں جارہا ہوں۔ عرض کیا کہ تھوڑی دیر کے بعد بھی تلاش ممکن تھی اس دھوپ میں کیوں تکلیف کی۔ فرمایا: جہنم کی آگ اس سے بھی سخت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اچھا میں اپنے غلام کو بھیج دیتا ہوں آپ یہاں آرام کیجئے۔ فرمایا کہ قیامت میں تم سے یا تمہارے غلام سے باز پرس نہ ہوگی۔ بیت المال کے متعلق باز پرس تو مجھی سے ہوگی۔ اس لیے میں اپنی رہائی کی فکر خود ہی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ فرما کر تشریف لے گئے اور دوپہر کی دھوپ ہی میں اس کو تلاش کیا۔

عرب کی گرمی اور دھوپ مشہور ہے۔ اندازہ کیجیے کیسی سخت دھوپ ہوگی مگر امیر المؤمنین اس وقت خود تلاش کے واسطے نکلے، دوسروں پر بھی بھروسہ نہ کیا تو حضرت جن کو حکومت میں جہنم سے بچنے کا خیال ہے وہ ایسی ایسی تکالیف برداشت کر کے حکومت کرتے ہیں۔ آپ نے اس کو منہ کا نوالہ سمجھا ہے۔ اور باوجود یکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

(۱) ''سرمد فقیری کے پیالہ میں روٹی کو تر کر کے کھاتا ہے اور ایام گزارتا ہے'' (۲) ''منزل محبوب میں امن وسکون کہاں ہے جبکہ ہر وقت کوچ کی گھنٹی بجتی ہے کہ سامان سفر باندھ''

عنہ کے عدل وانصاف و جفاکشی کی یہ حالت تھی کہ دنیا میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے اور خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فخر تھا کہ میں نے ایسے شخص کو اپنا خلیفہ بنایا ہے کہ جس کی کوئی نظیر نہیں ہے چنانچہ جب حضرت صدیق اکبرؓ نے ان اپنا خلیفہ بنایا تو ایک شخص نے کہا اے ابوبکرؓ! تم نے مسلمانوں پر ایک سخت مزاج شخص کو خلیفہ بنادیا، خدا کو اس کا کیا جواب دو گے؟ تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فخر کے ساتھ فرمایا کہ تو مجھے کیا ڈراتا ہے۔ اگر مجھ سے سوال ہوا تو میں حق تعالیٰ سے عرض کروں گا کہ میں نے ایسے شخص کو خلیفہ بنایا تھا کہ روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی نہ تھا۔

صاحبو! خدا کے یہاں ایسی ویسی بات نہیں چل سکتی، خدائے تعالیٰ کے سامنے پکی ہی بات کوئی کہہ سکتا ہے، پس حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی وثوق تھا جو وہ حضرت عمرؓ کے متعلق حق تعالیٰ کے سامنے شہادت دینے کو تیار تھے مگر اس پر بھی کسی صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصال سے دس یا پندرہ سال بعد خواب میں دیکھا کہ پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے آرہے ہیں۔ پوچھا: اے امیر المؤمنین! آپ کا کیا حال ہے فرمایا: عمرؓ قریب بہلاکت ہوگیا تھا، مرنے کے بعد سے جو حساب شروع ہوا ہے تو آج حساب سے فراغت ہوئی ہے۔ الحمد للہ کہ خدا تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔ تو حضرت حکومت کوئی مزہ کی چیز نہیں ہے جس کو جتنی بھی حکومت حاصل ہے اسی قدر اس کے ذمہ حقوق ہیں جن کا ادا کرنا اس کے ذمہ لازم ہے۔ پس حکام پر لازم ہے کہ جو شخص ان سے ملنے آئے اس کو جائے امن تک خود پہنچائیں تاکہ عملہ والے اس کو پریشان نہ کریں یہ تو جان ومال کے حقوق تھے۔

خلوص کی پہچان

ایک حق آبرو کا ہے یہ بھی حق العباد کی ایک فرد ہے جس کے ضائع کرنے میں ہم لوگ بہت مبتلا ہیں۔ خصوصاً علماء ومشائخ کیونکہ عوام تو عوام ہی کی آبروریزی اور

غیبت کرتے ہیں اور یہ لوگ اولیاء اللہ اور مشائخ کی غیبت اور آبرو ریزی(۱) کرتے ہیں اور یہ لوگ اولیاء اللہ اور مشائخ کی غیبت اور آبرو ریزی کرتے ہیں۔ تاکہ لوگ ادھر سے ہٹ کر ان کی طرف آویں۔ یاد رکھو یہ خلوص کے بالکل خلاف ہے۔ خلوص کی پہچان تو یہ ہے جو شیخ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے کہ اگر کوئی کسی بستی میں دین کا ایک کام کر رہا ہو پھر اس سے اچھا کام کرنے والا آجاوے تو اس کام کو چھوڑ کر اس دوسرے ہی شخص کے سپرد کر دے اور اپنے متعلقین کو خود اس کے یہاں بھیج دے اور آپ کسی دوسرے کام میں لگے اور اس سے خوش ہو کہ الحمدللہ! دین کا کام کرنے والا اس بستی میں دوسرا آ گیا جس سے میرا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اب مجھے خلوت و ذکر کا خوب موقع ملے گا۔ ہائے عارفین اہل اللہ تو ہر وقت اس کو ترستے ہیں کہ کوئی وقت فراغت اور خلوت کا ملے جس میں یہ محبوب حقیقی کے ساتھ مشغول ہوں اور ان کا تو مذاق یہ ہے کہ

دلآرامے کہ داری دل دروبند وگر چشم از ہمہ عالم فروبند(۲)

اسی کو عارف جامی فرماتے ہیں:

چہ خوش وقتے وخرم روز گارے کہ یارے برخوردا ز وصل یارے(۳)

حضرت گو شغل علمی بھی دین ہے اور ثواب کا کام ہے مگر پھر بھی عارفین خلوت کے لیے تڑپتے رہتے ہیں کیونکہ ان کے مشاغل میں کوئی نہ کوئی بات دین کے خلاف سرزد ہو ہی جاتی ہے تو ان سے قلب کی پوری اصلاح نہیں ہوتی۔ اصلاح قلب کے لیے ایک وقت خلوت کا ضرور ہونا چاہیے اس لیے عارف شیرازی فرماتے ہیں

از قیل وقال مدرسہ حالے دلم گرفت یک چند نیز خدمتِ معشوق می کنم(۴)

بھلا اور عارفین تو کس شمار میں ہیں جب سیف العارفین سیدنا رسول اللہ ﷺ کو بھی حق تعالیٰ خلوت کا امر فرما رہے ہیں: فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ وَإِلَىٰ رَبِّكَ

(۱) عزت دری (۲) ''جس محبوب سے تم نے دل لگا رکھا ہے پھر تمام دنیا سے آنکھیں بند کر لو'' (۳) ''وہ کیا اچھا وقت اور اچھا زمانہ ہے کہ اس میں کوئی عاشق اپنے محبوب کے وصل سے متمتع ہو'' (۴) ''مدرسہ کی قیل وقال سے میرے دل کا حال گرفتار ہو گیا، کچھ زمانہ خدمت محبوب بھی کرتا ہوں''

فَارْغَبْ (۱) جن لوگوں کو خلوت کا لطف حاصل ہو چکا ہے ان کے دل سے اس کی قدر پوچھو۔ حضرت نواب شیفتہ کا ایک شعر اس کے متعلق مجھے بہت ہی پسند آیا۔

چہ خوش است با تو بزمے بنہفتہ ساز کردن در خانہ بند کردن در شیشہ باز کردن (۲)

اس میں بنہفتہ ساز کردن ایک عجیب تعبیر ہے (ایسے ہی سر شیشہ باز کردن میں حضور قلب کی کیفیت کا فوٹو کھینچا ہے)۔

غرض مخلص کی شان یہ ہے کہ وہ محض ضرورت دینی کی وجہ سے کسی منصب کو ادا کرتا ہے خواہ وہ درس وتدریس ہو یا تعلیم وتربیت باطن ہو یا وعظ وامامت ہو۔ اپنے نفس کی بڑائی کے لیے کسی منصب پر پیش قدمی نہیں کرتا اور اس کی علامت یہ ہے کہ جب کوئی دوسرا اس کام کا کرنے والا آجاتا ہے اور یہ دیکھ لیتا ہے کہ دینی ضرورت اس سے پوری ہوگئی ہے تو اب وہ اپنے کو اس منصب سے علیحدہ کر لیتا ہے اور خود خلوت وذکر میں مشغول ہوجاتا یا دین کا کوئی دوسرا کام لے لیتا ہے جس کا کرنے والا اس بستی میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔ مگر اب تو یہ حالت ہے کہ جو شخص کسی جگہ پڑھاتا ہے وہاں دوسرا پڑھانے والا آجائے تو یہ اس سے جلتا ہے، کوئی واعظ ہے اور اس کی بستی میں کوئی دوسرا واعظ آجائے تو یہ اس سے حسد کرتا ہے۔ کسی جگہ ایک مدرسہ ہے، وہاں دوسرا مدرسہ ہوجائے تو پہلے مدرسہ والے اس کے مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کوئی شیخ ایک مقام میں تربیت باطن کر رہا ہے وہاں دوسرا شیخ آجاوے تو اس کو گراں گزرتا ہے۔ پھر ایک دوسرے کی آبروریزی اور غیبت میں مشغول ہوتے ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ یہ نہ رہے یہ چاہتا ہے کہ وہ نہ رہے۔

صاحبو! کیا اسی کا نام دین ہے، کیا اسی کو خلوص کہتے ہیں، پھر تماشا یہ ہے کہ باوجود اس بددینی کے ہر ایک بجائے خود نازاں ہے اور سمجھتا ہے کہ میں دنیا سے الگ ہوں اور دین کا کام کر رہا ہوں حالانکہ اس کے دل میں سراسر دنیا بھری ہوئی ہے اور اس کا مصداق بنا ہوا ہے۔ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ

(۱) ''تو جب آپ ﷺ فارغ ہوجایا کریں تو محنت کیا کیجئے اور اپنے رب کی طرف توجہ رکھئے'' سورۃ النشرح: ۷۔۸ (۲) ''کیا اچھا ہو کہ تو محفل میں اکیلا ہو، گھر کا دروازہ ہو اور شراب کا شیشہ کھلا ہو''

يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (۱) غرض کیا خاص کیا عام سبھی نے آبرو کے حق سے غفلت کر رکھی ہے اور غیبت وشکایت کو کچھ گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ اس تقریر سے صاف واضح ہوگیا ہوگا کہ حقوق العباد صرف اموال ہی میں منحصر نہیں بلکہ مال کا بھی حق ہے، آبرو کا بھی حق ہے، پس باہم ایک دوسروں کی اتلافِ جان، اتلافِ مال، اتلافِ آبرو (۲) سے بچو۔

اتلاف دین

ایک چوتھی چیز اور ہے جو ان تینوں سے بھی اہم ہے مگر لوگ اس کو بہت کمتر اور معمولی بات سمجھتے ہیں۔ وہ کیا چیز ہے؟ اتلاف دین (۳) ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ بھی حق ہے کہ اس کے دین کا ضرر نہ کرے۔ یعنی اپنی وجہ سے کسی کا دین ضائع نہ کرے، یہ سب سے مقدم ہے اس کے بعد آبرو کا درجہ ہے پھر جان کا، پھر مال کا کیونکہ شریف آدمی جان کو مال سے مقدم سمجھتا ہے۔ اور جان بچانے کے لیے مال کو خرچ کر دیتا ہے۔ مگر آبرو کو جان سے بھی مقدم سمجھتا ہے۔ چنانچہ شریف آدمی آبرو کے لیے جان پر کھیل جاتا ہے اور جو شریف دیندار ہوگا اور مسلمان سبھی دیندار ہیں وہ آبرو اور جان سے زیادہ دین کو سمجھتا ہے چنانچہ دیندار آدمی دین کی حفاظت کے لیے آبرو کی پروا نہیں کرتا۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت (مجدد زماں) سید احمد صاحب بریلوی قدس سرہ کے خلفاء میں سے ہیں۔ ایک مرتبہ لشکر کے ساتھ جا رہے تھے اور خود امیر عسکر تھے (۴) کہ راستہ میں نماز کا وقت آ گیا تو آپ نے اپنی بی بی صاحبہ کو برقع اوڑھا کر نماز کے لیے سب کے سامنے بہلی سے اتارا اور بلند آواز سے فرمایا کہ صاحبو! دیکھ لو یہ عبدالحی کی بیوی ہے جو نماز کے واسطے سب کے سامنے کھڑی ہوئی ہے۔ حضرت! دیندار کی یہی حالت ہوگی کہ وہ عرفی آبرو کو دین کے لیے فدا کر دے گا مگر لوگ یہ کرتے ہیں کہ آبرو کو دین سے زیادہ سمجھتے ہیں اسی واسطے تقریبات میں محض اپنی

(۱) ''یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی محنت سب گئی گزری ہوگئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں'' سورۃ الکہف: ۱۰۴ (۲) جان مال آبرو کے نقصان سے بچو (۳) دین کو ضائع کرنا (۴) امیر لشکر۔

آبرو کے لیے دین کے خلاف بہت سے کام کرتے ہیں حالانکہ آبرو سے دین مقدم ہے اور آبرو جان ومال سے مقدم ہے مگر بعضے ایسے بھی ہیں جو مال کو آبرو سے مقدم کرتے ہیں جیسے بعضے رذیل بھیک مانگ کر مال جمع کرتے ہیں اور آبرو کی پروا نہیں کرتے، بعضوں نے مسجد اور مدرسہ کے چندہ کی آڑ پکڑلی ہے۔ کیونکہ ویسے بھیک مانگنے سے تو کون دیتا ہے مسجد اور مدرسہ کے نام سے کچھ مل ہی جاتا ہے پھر جو کچھ ملتا ہے وہ اسی مانگنے والے کے پیٹ کو لگ جاتا ہے نہ مسجد کو ملتا ہے نہ مدرسہ کو۔

بے ہودہ تاویلیں

کسی مقام میں ایک صاحب تھے وہ مسجد کے لیے چندہ کیا کرتے تھے اور چند روز کے بعد پھر آدھمکتے اور قسمیں کھا جاتے کہ میں سارا چندہ مسجد ہی کو لگا آیا ہوں۔ ایک شخص ان کے حال سے واقف تھا، اس نے کہا کہ کم بخت جھوٹی قسم تو نہ کھایا کر، مسجد کو کہاں لگاتا ہے، سارا خود ہی کھالیتا ہے، کہنے لگا کہ واللہ! میں سب مسجد کو لگا دیتا ہوں، آؤ تم کو دکھاؤں چنانچہ روپیوں کی تھیلی کو مسجد کی دیوار سے رگڑ کر دکھا دیا، میں اس طرح لگایا کرتا ہوں اس لیے میری قسم جھوٹ نہیں ہوتی۔

یہ ویسی ہی تاویل ہے جیسی ایک دودھ والے نے کی تھی، وہ بھی قسم کھایا کرتا تھا کہ واللہ! میں دودھ میں پانی نہیں ملاتا۔ ایک شخص نے کہا کہ کم بخت تو نے میرے سامنے پانی ملایا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ میں نے دودھ میں پانی نہیں ملایا، پانی میں دودھ ملایا ہے۔ وہ یہ کرتا تھا کہ ایک برتن میں پانی پہلے سے بھر لیا اور اس میں دودھ ڈال لیا تو اس صورت میں پانی میں دودھ ملایا گیا نہ کہ دودھ میں پانی اس لیے اپنے نزدیک وہ اس قسم میں سچا تھا کہ میں دودھ میں پانی نہیں ملاتا۔ آج کل لوگ ایسی استادیاں کرتے ہیں اور چندہ والے اس میں زیادہ مبتلا ہیں مگر ان کو تو مال سے غرض ہے چاہے دین اور آبرو ضائع ہوتی رہے۔

چندہ جمع کرنے والوں کی کوتاہی

ایک محصل چندہ سفر کانپور میں مجھ سے ملے اور شکایت کرنے لگے کہ فلاں رئیس نے مدرسہ کے لیے چندہ مانگنے پر مجھے بہت مارا، اب میں کیا کروں، میں نے کہا تم اس نوکری پر لعنت بھیجو کوئی اور کام کرو۔ کہنے لگے یہ تو دین کا کام ہے اسے کیونکر چھوڑوں، میں نے کہا پھر جاؤ ایسی تیسی میں، اگر یہ دین کا کام ہے تو شکایت کیوں کرتے ہو ماریں کھاتے رہو اور صبر کرو، کوئی قسم لے کر ان سے پوچھے کہ وہ دین ہی کے لیے تو محصل (۱) چندہ بنے ہوئے تھے۔ یہ بھی محض ایک بہانہ ہے ورنہ اصل مقصود تنخواہ ہے اگر پچاس ساٹھ روپے ان کو گھر بیٹھے مل جایا کریں تو پھر ہم دیکھیں کہ وہ پھر بھی دینی خدمت کے لیے یہ ذلت گوارا کرتے ہیں اب کیا کریں پیٹ کو بھی کس طرح دیں۔ اس واسطے یہ ساری ذلت گوارا کیا کرتے ہیں۔

دین کی حالت تو یہ تھی کہ وہی محصل چندہ اس رئیس کے یہاں بھی آئے تھے جہاں میں مقیم تھا۔ ان سے چندہ مانگا تو انہوں نے دس روپے دیدیئے تو محصل چندہ کہتے ہیں کہ جناب آپ تو ہر سال بیس روپے دیا کرتے تھے اب کے دس کیوں دیئے یہ طریقہ تھا ان کے چندہ کا جس میں سب کے سامنے وہ دینے والے کو ذلیل کرتے تھے۔ بس کسی رئیس کے ساتھ یہی حرکت کی ہوگی اس نے مارا پیٹا ہوگا ورنہ محض مانگنے پر کون مارتا ہے۔ ہاں ان کے مانگنے کے بعد اگر دوسرا عذر کردے یا تھوڑا سا دیدے اور اس پر اس کو ذلیل کیا جاوے تو بے شک کوئی دل جلا مار بھی دیتا ہے۔ چندہ کا یہ طریقہ بالکل خلاف شریعت ہے اور حرام ہے تو آج کل زیادہ تر چندہ کے طریقے حرام ہی ہیں مگر محصلین چندہ اس کو دین سمجھتے ہیں کچھ نہیں، اس کا نام تو بے حسی ہے کہ مال کے واسطے نہ آبرو کی پروا ہے نہ دین کی، ہاں چندہ کا ایک طریقہ جائز بھی ہے کہ مسلمانوں کو اطلاع کردو کہ فلاں جگہ مدرسہ ہے اور فلاں شخص کے پاس اس کے لیے چندہ جمع ہو رہا ہے جس

(۱) چندہ وصل کرنے والے۔

کا جی چاہے وہاں اپنی رقم جمع کردے۔ پھر دیکھیں کتنے آدمی دیتے ہیں، غرض بعضے ایسے بے حس بھی ہیں جو آبرو کو مال کے واسطے ضائع کردیتے ہیں بعضے ایسے بھی ہیں جو مال کے واسطے جان بھی دے دیتے ہیں۔

عذاب قبر کا واقعہ

تھانہ بھون کا ایک قصہ ہے کہ ایک میاں جی کے پاس دوسو روپیہ جمع ہوگئے تھے جن کو ایک لوٹے میں رکھ کر زمین کے اندر گاڑھ رکھا تھا مگر محبت مال کی یہ حالت تھی کہ روزانہ اس کو گنا کرتا تھا، کسی دن لڑکوں نے بھانپ لیا، وہ موقع کے منتظر رہے، آخر ایک دن ملا جی کہیں دعوت میں گئے ہوئے تھے پیچھے لڑکوں نے وہ روپیہ نکال لیا اور خوب عمدہ عمدہ کھانے پکوائے اور ملا جی کے حال پر اتنا رحم کیا کہ ان کی بھی دعوت کردی۔ ملا جی خالی الذہن تھے، خوشی خوشی دعوت کو چلے گئے، انہیں ایسے عمدہ کھانے کب ملے تھے، بڑے خوش ہوئے، کھاتے جاتے اور پوچھتے جاتے کہ بھائی آج کیا تقریب تھی جو ایسے کھانے پکوائے گئے۔ لڑکوں نے کہا حضور یہ سب آپ ہی کی جوتیوں کا طفیل ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ملا جی نے پھر کہا کہ آج کیا بات ہے، کون مہمان آگیا ہے جس کے لیے یہ اہتمام ہوا ہے، پھر بھی لڑکوں نے وہی جواب دیا کہ سب حضور ہی کا طفیل ہے۔ اس پر ایک لڑکے کو ہنسی آگئی تو ملا جی کھٹک گئے کہ شاید میرے روپوں میں ہاتھ پڑ گیا ہے جبھی یہ بار بار اس کو میرا طفیل بتلاتے ہیں۔ بس اب تو کھانا پینا سب بھول گئے، اندھے باؤلوں کی طرح سیدھے حجرے میں آئے، کھودا تو روپے ندارد، بس فوراً ہی جان نکل گئی، لوگ دوڑے کہ یہ قصہ کیا ہے معلوم ہوا کہ روپے گم ہونے کا اتنا صدمہ ہوا۔ یہ قصہ بستی میں مشہور ہوا تو اس وقت تھانہ بھون میں ایک عالم مولانا سعد الدین علی صاحب موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ روپیہ منحوس ہے جس نے ایک مسلمان کی جان لے لی اس کو کوئی ہاتھ نہ لگائے بلکہ جنازہ کے ساتھ ہی قبر میں دفن کردیا جائے۔ چنانچہ اہل محلہ نے اس کی تعمیل کی اور کسی نے ان روپیوں کو ہاتھ نہ لگایا بلکہ سب کو ایک

تھیلی میں باندھ کر قبر میں میاں جی کے ساتھ دفن کر دیا۔

کفن چوروں کو خبر لگی انہوں نے کہا کہ مولوی کی تو عقل جاتی رہی خواہ مخواہ اتنا روپیہ زمین گاڑھ دیا چلو اس کو نکالنا چاہیے۔ چنانچہ رات کو ایک شخص نے قبر کھودی تو دیکھا کہ سب روپے کفن سے باہر سینے کے اوپر ترتیب وار رکھے ہوئے ہیں اور خوب چمک رہے ہیں۔ یہ خوش ہوا کہ اب تو اور آسانی ہوگئی، اوپر ہی سے سب سمیٹ لوں گا۔ پس انگلی ہی روپوں سے لگی تھی کہ چیخ مارتا ہوا بھاگا، وہ روپے عالم برزخ کی آگ سے دہک رہے تھے جن سے میت کو عذاب دیا جارہا تھا۔ پھر اس کفن چور کی عمر بھر یہ حالت رہی کہ ہر وقت ایک آبخورہ (۱) ہاتھ میں لیے پھرتا تھا جس میں وہ انگلی ہر وقت ڈوبی رہتی تھی۔ اس طرح کچھ تسکین رہتی اور جہاں پانی بدلنے کو انگلی آبخورہ سے نکالی فوراً چیخیں مارتا تھا کہ ہائے میں جلا ہائے مرا۔ تو بعض ایسے بے حس بھی ہیں جو مال کے واسطے جان دے دیتے ہیں مگر ایسے کم ہیں زیادہ حالت تو یہی ہے کہ مال سے جان کو زیادہ سمجھتے ہیں اور جان سے زیادہ آبرو کو سمجھتے ہیں مگر دین کو سب سے کم تر کر رکھا ہے۔

اِضرارِ دین

اسی لیے کسی کے اضرار دین (۲) سے کچھ باک نہیں، کسی کی خوشامد میں آکر غلط فتویٰ دے دیا جیسا ہمارے یہاں ایک جاہل نے دنیوی خوشامد میں مطلقۃ الثلاث (۳) کو حلال کر دیا۔ دنیا دار مولوی اس مرض میں بہت مبتلا ہیں اور ان کے غلط فتویٰ سے عوام کے لیے حرام چیز حلال نہیں ہوجاتی کیونکہ فتوے کی غلطی چھپی نہیں رہا کرتی۔ ایک اضرار دین یہ ہے کہ کسی کو دین کا راستہ معلوم نہیں تربیت کا طریقہ جانتا نہیں اور خواہ مخواہ شیخ ومرشد بن کر بیٹھ گیا ہے اور لوگوں کی راہ مارتا ہے۔

ایک اضرار دین یہ ہے جس میں اہل مدارس مبتلا ہیں کہ کسی طالب علم نے کسی سے مشورہ کیا کہ میں کون سے مدرسہ میں پڑھوں تو ہر مدرسہ والا اپنے ہی مدرسہ کا مشورہ

(۱) پانی کا پیالہ (۲) دین کے نقصان (۳) تین طلاق ہونے پر بھی۔

دیتا ہے، گو جانتے ہیں کہ اس کا نفع دوسرے مدرسہ میں زیادہ ہے۔ افسوس! آج کل اہل علم بھی غلط مشورے دینے لگے ہیں اور پہلے زمانہ میں کفار بھی غلط مشورے نہ دیتے تھے۔

ایک بزرگ کا قصہ

چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کی ایک لڑکی تھی جس کے شادی کے پیام جا بجا سے آرہے تھے تو انہوں نے اپنے ایک پڑوسی سے جو کہ یہودی تھا، مشورہ کیا کہ میری لڑکی کے فلاں فلاں جگہ سے پیام آرہے ہیں، تمہارے نزدیک کونسی جگہ اچھی ہے؟ اس نے اول تو عذر کیا کہ آپ کو مجھ سے مشورہ نہ کرنا چاہیے کیونکہ میں دین میں آپ کا مخالف ہوں، مخالف کے مشورہ کا کیا اعتبار تو بزرگ نے فرمایا کہ شریف آدمی ہو گو مسلم نہیں ہو اس لیے غلط مشورہ نہیں دوگے۔ اس لیے تم بے تکلف مشورہ دو تو وہ یہودی کہنے لگا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تنکح المراۃ لاربع لمالھا وجمالھا وحسبھا ودینھا فاظفر بذات الدین تربت یداك (۱) اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے مذہب اسلام میں سب سے زیادہ دیکھنے کی چیز دین ہے تو میرے خیال میں جتنے لوگوں نے بھی پیام بھیجا ہے دین پورا پورا کسی میں بھی نہیں ہے، میرے نزدیک تو ایک طالب علم جو آپ کی مسجد میں رہتا ہے وہ بڑا دیندار ہے، ہر وقت خدا کے کام میں لگا رہتا ہے، پس آپ اپنی بیٹی کو اس سے بیاہ دیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت برکت ہوگی چنانچہ ان بزرگ نے ایسا ہی کیا اور عمر بھر ان کی لڑکی راحت سے رہی۔

مشورہ کی اہمیت

حدیث میں آتا ہے ''المستشار مؤتمن'' (۲) جس سے مشورہ لیا جاتا ہے

(۱) ''عورت سے نکاح کرنے میں چار باتوں کو دیکھا جاتا ہے مال کو اور جمال کو اور حسب کو اور دین کو، پھر آپ نے فرمایا کہ تم دیندار سے نکاح کرنے کی کوشش کرو'' الصحیح للبخاری ۷/ ۹، الصحیح مسلم: الرضاع: ۵۳، مشکوٰۃ: ۲۰۸۴ (۲) سنن ابی داؤد: ۱۵۲۸، سنن ترمذی: ۲۸۲۲، ۲۸۲۳

اس کو امانت دار سمجھا جاتا ہے پس مشورہ غلط دینا خیانت ہے اس سے بہت احتراز کرنا چاہیے۔ ہماری بستی میں ایک صاحب اپنا گھر فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے مجھے بھی اس کے خریدنے کا خیال تھا مگر بعد میں ان کی رائے بدل گئی۔ پھر کچھ ایسے واقعات بستی میں ان کے ساتھ پیش آئے جن سے گھبرا کر انہوں نے باہر ملازمت کرلی اور گھر بیچنے کا پھر ارادہ کرلیا۔ اس وقت میرا خیال تھا کہ یہ اگر فروخت کریں گے تو میں ضرور لے لوں گا کیونکہ اس مکان کے نہ لینے سے مجھے گو نہ تکلیف ہے لیکن اس دفعہ انہوں نے مجھ سے مشورہ کیا کہ میں گھر بیچنا چاہتا ہوں اس میں آپ کی کیا رائے ہے۔ اس وقت اگر میں اپنی غرض کا لحاظ کرکے ان کو یہ مشورہ دے دیتا کہ ہاں فروخت کردو تو فوراً بیچ دیتے کیونکہ ان کی زیادہ رائے اسی طرف مائل تھی مگر جب مجھ سے مشورہ کیا تو میں نے اپنی مصلحت پر نظر کرنا اور ان کی مصلحت کو نظر انداز کردینا خیانت سمجھا اور وہی رائے دی جو ان کے لیے مناسب تھی۔ میں نے کہا کہ آپ گھر کو ہرگز فروخت نہ کریں کیونکہ دوسری جگہ چاہیے کیسی راحت ہو مگر کسی وقت پھر وطن یاد آتا ہے اور جب باہر جاکر ٹھوکریں لگتی ہیں تو اس وقت اپنے وطن سے زیادہ عزیز کوئی چیز نہیں ہوتی چنانچہ اس رائے کی وجہ سے انہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا۔ اس پر بعض لوگوں نے مجھے بیوقوف بھی بنایا کہ تم نے یہ رائے دے کر ساری عمر کی مصیبت پھر اپنے سر لی، میں نے کہا کچھ بھی ہو یہ تو مجھ سے کبھی نہ ہوگا کہ ایک شخص امین سمجھ کر مجھ سے مشورہ کرے اور میں اس کی مصلحت کے خلاف مشورہ دوں۔ مجھے دین سب سے مقدم ہے اب چاہے مجھے راحت ہو یا کلفت ہو اور ان شاء اللہ اس نیت کی برکت سے راحت ہی ہوگی مگر عموماً آج کل مشیروں کی یہ حالت ہے کہ جان جان کر غلط مشورہ دیتے ہیں جس میں ان کے نزدیک صراحۃً دوسرے کا نقصان ہوتا ہے۔

آج کل کا مشیر

بھگرہ (۱) میں ایک شخص ملازمت سے گھر آیا اور ساتھ میں بہت کچھ نقد اور

(۱) یہ ایک قصبہ ہے ضلع مظفر نگر میں جو تھانہ بھون سے تقریباً ۱۵ میل پر ہے۔

سامان وغیرہ بھی لایا۔ پھر اس کی لڑکی کا بیاہ ہونے لگا تو بستی کے بھائیوں نے اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا شروع کیا اور یہ رائے دی کہ ذرا شادی میں خوب دھوم دھام کرو تا کہ لوگوں کی نگاہ میں تمہاری عزت ہو اور خاندان کا نام ہو۔ چنانچہ اس نے ایسی دھوم دھام کی کہ جو کچھ باہر سے کما کر ساتھ لایا تھا سب غارت کر دیا۔ بعد میں ان مشیروں میں سے ایک نے فخراً کہا کہ یہ بہت بڑھ گیا تھا۔ یہ رائے دے کر ہم نے اس کو اپنے برابر کر دیا۔ آج کل برادری کے بھائیوں کی عام حالت یہی ہے کہ کسی کو اپنے سے بڑھا ہوا دیکھ نہیں سکتے۔ بس جہاں کوئی بڑھا اور انہوں نے اس کو ایسی پٹیاں پڑھانا شروع کیں جس سے چار دن میں وہ ان کے برابر بلکہ کم ہو جائے اور برابر دو غرض سے کرتے ہیں کبھی حسد سے اور کبھی اس لیے کہ وہ ہم کو گھٹانے کی فکر نہ کرے کیونکہ آج کل جہاں کوئی ذرا بڑھتا ہے وہ دوسروں کو گھٹانا شروع کر دیتا ہے اس لیے وہ اپنی جان بچانے کو اس کوشش میں رہتا ہے کہ کسی طرح یہ ہم سے بڑھا ہوا نہ رہے۔

میاں جی کی حکایت

جیسے ایک گاؤں کا آدمی باہر جا کر چار پانچ سو روپیہ کا ملازم ہو گیا تھا۔ اس کے گھر پر ایک میاں جی بچوں کو پڑھانے کو نوکر تھے، وہی سارے گاؤں میں خط پڑھنا جانتے تھے۔ اس شخص کا خط آیا کہ میں اتنے کا ملازم ہو گیا ہوں، تو گھر والوں نے میاں جی کے پاس خط بھیج دیا کہ ذرا اس کو پڑھ دو، کیا لکھا ہے، میاں جی خط کو دیکھ کر رونے لگے تو خط لانے والا گھبرا گیا، کہا میاں جی خیر تو ہے کیا لکھا ہے کہا ایسی ہی بات لکھی جس پر مجھے رونا چاہئے، اس نے دوڑ کر گھر خبر کی تو اس کی بیوی نے دروازہ پر بلا کر پوچھا کیا بات ہے خیر تو ہے، میاں جی نے کہا بتلاؤں گا مگر تو بھی رو، وہ بھی رونے لگی، اتنے میں محلّہ والے آ گئے کہ یہ کیا معاملہ ہے، میاں جی نے کہا کہ تم بھی روؤ وہ بھی رونے لگے۔

پھر پوچھا کہ میاں جی آخر بتاؤ تو سہی کیا لکھا ہے، کوئی مر گیا ہے یا بیمار ہو گیا ہے، کہا نہیں اس میں یہ لکھا ہے کہ میں پانچ سو روپیہ کا نوکر ہو گیا، لوگوں نے کہا لاحول

ولاقوۃ، پھر یہ رونے کی بات ہے یا خوشی کی۔ میاں جی نے کہا یہ رونے ہی کی بات ہے مجھے تو اس لیے رونا چاہیے کہ اب یہ مجھے اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے کیوں نوکر رکھے گا، کسی انگریزی جاننے والے ماسٹر کو بلاوے گا اور بیوی کو اس واسطے رونا چاہیے کہ اب وہ اس گاؤں کی عورت کو کیوں اپنے نکاح میں رکھے گا، بس اسے طلاق دے کر کوئی شہر کی تعلیم یافتہ عورت لائے گا اور گاؤں والوں کو اس لیے رونا چاہیے کہ اب وہ سال بھر کے بعد آتے ہی اپنا گھر بہت عالی شان بنائے گا جن میں غریبوں کے مکانات جبراً معمولی داموں میں خرید خرید کر ملائے جائیں گے، پھر زمین جائیداد بہت سی خریدے گا جس میں غریبوں کے حصے دبائے جائیں گے۔ واقعی باتیں تو میاں جی نے سب معقول کیں، آج کل زیادہ مال ودولت حاصل کر کے لوگ یہی حرکتیں کرتے ہیں۔ اس واسطے بھی لوگوں کو فکر ہوتی ہے کہ کسی طرح یہ ہم سے بڑھا ہوا نہ ہو۔

لوگوں کے مظالم

خیر یہ تو وہ ظلم ہے جو انسان اپنی غرض کے واسطے دوسروں پر کیا کرتا ہے اور بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ اپنی غرض سے بھی نہیں محض دوسروں کے آرام کے واسطے مخلوق کا گلا دبا دیا کرتے ہیں۔ جیسے بعض زمیندار حکام کو خوش کرنے کے واسطے گاؤں والوں سے چندہ جبراً وصول کرتے ہیں اور خوشامد کے لیے چندہ کی رقم ان کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اسی طرح اور بہت سے قصے لیے جاتے ہیں، فروع کو کہاں تک بیان کروں، میں نے بطور قاعدہ کلی کے یہ حقوق بیان کر دیئے ہیں، فروع انہی سے سمجھ میں آسکتی ہیں اب یہ سمجھئے کہ جو کچھ حقوق میں نے اب تک بیان کیے ہیں یہ تو حقوق عامہ ہیں۔ ان کے بعد کچھ حقوق خاصہ ہیں۔ جب کسی صاحب حق میں کوئی خاص خصوصیت ہوتی ہے تو اس کے کچھ خاص حقوق ان حقوق عامہ پر بڑھ جاتا ہے یہ حقوق مذکورہ تو ہر انسان کے دوسرے انسان پر بحیثیت عبد ہونے کے ہیں۔

خصوصی حقوق

اب اگر کوئی شخص مسلمان بھی ہے تو اسلام کی وجہ سے اس کا حق اور بھی بڑھ جائے گا مثلاً مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ بیمار ہو تو عیادت کرو، جب ملے تو سلام کرو، اس کو چھینک آوے اور الحمدللہ کہے تو یرحمک اللہ کہو، مرجاوے تو جنازہ کی نماز پڑھو، دفن کفن میں شریک ہو وغیرہ وغیرہ۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی شخص ہمارا پڑوسی ہے جوار(۱) کی وجہ سے اس کا حق بڑھ جائے گا۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی ہمارا محسن بھی ہے جیسے استاد یا پیر یا کوئی دوست وغیرہ۔ سو احسان کی وجہ سے ان کے حقوق عام مسلمانوں کے حقوق سے زیادہ ہوں گے۔ محسن ہونے میں باپ ماں کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ ان کے حقوق سب سے زیادہ ہیں۔

اسی طرح بعض اور رشتے بھی بواسطہ احسان میں داخل ہیں۔ مثلاً سسرالی رشتہ جیسے بیوی کی ماں اس کا باپ وغیرہ کہ وہ بیوی کے محسن ہیں اور بیوی سے دوستی کا رشتہ ہے تو دوست کے محسن گویا اپنے ہی محسن ہیں ان کے حقوق بھی عام لوگوں سے زیادہ ہیں۔ غرض کہ خصوصیات کی وجہ سے حقوق عامہ پر حقوق خاصہ کا اضافہ ہوجاتا ہے اس وقت نہ میں اس کی تفصیل کرسکتا ہوں نہ اتنا وقت ہے علماء کی کتابیں موجود ہیں جن میں سب کے حقوق لکھے ہوئے ہیں۔ غرض اسلام میں سب انسانوں کے لیے کچھ نہ کچھ حقوق ہیں۔

اسلام میں حقوق کی اہمیت

میری ایک کتاب مختصر اس بارے میں طبع ہوچکی ہے جس کا نام ''حقوق الاسلام'' ہے اس کو دیکھو۔ اس میں مختصراً سب کے حقوق لکھے ہوئے ہیں۔ ایک مسلمان ڈپٹی نے وہ کتاب ایک انگریز کو دکھائی تھی۔ اس نے جو دیکھا تو اس میں رعایا اور حکام کے بھی حقوق تھے کہ رعایا کو حکام کے ساتھ اس طرح رہنا چاہیے اور حکام کو رعایا کے ساتھ یوں

(۱) پڑوس کی وجہ سے۔

برتاؤ کرنا چاہیے۔ ایک حق تو حاکم مسلم کا ہے وہ الگ ہے۔ اسلام میں مطلق حاکم کا بھی بوجہ معاہدہ کے نیز بوجہ احسان انتظام راحت کے ایک حق ہے چاہیے مسلم ہو یا غیر مسلم، تو وہ انگریز بڑا متعجب ہوا کہ اسلام میں حکام کے بھی حقوق ہیں، اس کو اسی پر تعجب ہوا۔ اسے یہ خبر نہ ہوئی کہ اسلام میں بہائم کے بھی حقوق ہیں تو اور زیادہ تعجب ہوتا۔

صاحبو! یہ قانون خداوندی کی ہی خصوصیات ہے جس میں باغیوں کے حقوق بھی ہیں، کفار حالانکہ خدا تعالیٰ کے باغی ہیں اور ان کے بارے میں ارشاد ہے۔ ان ھم الا کالانعام بل ھم اضل (۱) مگر اس کے ساتھ ان کے کچھ حقوق بھی رکھے ہیں۔

بیوی کے حقوق

بہرحال خصوصیات محل وغیرہ سے یہ حقوق بڑھ جاتے ہیں اور خصوصاً ان انسانوں کے حقوق بہت زیادہ ہیں جو کسی سے کچھ نہ کہہ سکیں۔ وہ کون ہیں، وہ بیویاں ہیں، یہ بیچاری عموماً ایسی بے کس اور بے بس ہوتی ہیں کہ کسی سے کچھ شکایت کر ہی نہیں سکتیں اور اگر کسی کے ماں باپ زندہ بھی ہوں جب بھی شریف عورتیں اپنے خاوند کی شکایت کسی سے نہیں کرتیں۔ پھر مردوں کی یہ حالت ہے کہ اپنی بیوی کے سوا اور جگہ ان کی نظر اٹھ جاتی ہے اور بعضے ایسی ایسی جگہ پھنس جاتے ہیں مگر ہندوستان کی عورتیں عموماً اپنے شوہروں کی عاشق ہوتی ہیں گو شوہر کیسا ہی ہو ہم نے دیکھا ہے کہ بعض مرد بدصورت بھی ہوتے ہیں مگر ان کی بیویاں بجز شوہر کے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتیں۔

ہندوستان کی عورتوں کی صفت

واقعی ہندوستان کی عورتیں تو اس صفت میں حوریں ہیں۔ حق تعالیٰ نے حوروں کی تعریف میں جہاں حسن وجمال کو بیان فرمایا ہے وہاں قاصرات الطرف بھی فرمایا ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو شوہر ہی پر منحصر کرنے والی ہوں گی، کسی غیر پر نظر نہ ڈالیں گی، واقعی ہندوستان کی عورتیں تو اس صفت میں تمام ممالک کی عورتوں سے ممتاز ہیں۔ یہ تو نکاح کر کے شوہر کے ساتھ ایسی وابستہ ہو جاتی ہیں کہ اپنے ماں باپ کو بھی بعض

(۱) ''مگر اس کے ساتھ ان کے کچھ حقوق بھی رکھے ہیں''۔

دفعہ چھوڑ دیتی ہیں۔ چنانچہ اگر اس کے ماں باپ یا اور کسی عزیز کے ساتھ کبھی شوہر کی ان بن ہوجائے تو عورت عموماً شوہر کا ساتھ دیتی ہے، ماں باپ کا ساتھ نہیں دیتی مگر اس پر بھی بعضے مرد ان پر بہت زیادتی کرتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ ان پر ایسی فدا ہیں مگر بعض لوگ ان کے ساتھ جوتے ہی سے بات کرتے ہیں، باندی اور غلام سے بھی ان کی اوقات بدتر رکھتے ہیں۔

بعضے ایسے بے مروت ہیں کہ ان کی آمدنی ہزاروں کی ہے مگر بیوی کو دس ہی روپیہ کا روزینہ دیتے ہیں اور بعضے تو کھانے، کپڑے کی بھی خبر نہیں لیتے، نہ ہوا عرب یا بعض ہندوستانی ریاستیں کہ وہاں عورت فوراً قاضی کے یہاں جاکر نالش کردیتی ہے اب یا تو قاضی کی تجویز کے موافق نان ونفقہ دینا پڑتا ہے ورنہ جبراً طلاق دلوائی جاتی ہے جس کے بعد فوراً عورت کی طرف سے مہر کی نالش ہوجاتی ہے اور بعض ممالک میں مہر نکاح کے وقت ہی پیشگی دھروالیتے ہیں۔ یہ بیچاری ہندوستان کی ہی عورتیں ہیں جو مہر بھی معاف کردیتی ہیں اور عمر بھر نان ونفقہ کی تکلیف بھی سہتی ہیں۔ خیر کسی کے پاس ہو ہی نہیں تو اس کی شکایت نہیں۔ اس صورت میں تو عورتیں خود محنت مزدوری کرکے شوہر کو بھی کھلاتی ہیں لیکن جس کو خدا تعالیٰ نے سب کچھ دیا ہو وہ بیوی کو تنگ کرے یہ نہایت بے غیرتی اور بے حمیتی ہے۔ سعدی فرماتے ہیں۔

بہ بیں آں بے حمیت را کہ ہرگز نخواہد دید روئے نیک بختی
تن آسانی گزیند خویشتن را زن و فرزند بگزارد بسختی(۱)

حالانکہ عورتوں کا ایک حق تو اس واسطے ہے کہ وہ بے کس و بے بس ہیں۔ دوسرے اس واسطے بھی حق ہے کہ وہ تمہاری دوست ہیں اور اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ دوستی کی وجہ سے حق بڑھ جاتا ہے پھر وہ تمہارے دین کی محافظ بھی ہیں۔ اسی لیے صوفیاء نے تقلیل وقاع(۲) کو مجاہدہ میں داخل نہیں کیا باوجود یہ کہ وہ تمام لذات میں الذ ہے(۳) مگر صوفیاء نے اس کی تقلیل کو مجاہدہ میں شمار نہیں کیا اور نہ کثرت وقاع(۴) سے منع کیا ہے گو اور وجہ سے منع کیا ہے مگر مجاہدہ کی حیثیت سے منع نہیں کیا۔

(۱) ''اس بے غیرت کو دیکھو کہ وہ نیک بختی کا منہ نہ دیکھے گا، اپنے تن آسانی اختیار کرکے بی بی بچوں کو سختی میں ڈالے'' (۲) بیوی سے جماع کرنے میں کمی کرنے کو مجاہدہ میں شامل نہیں کیا (۳) جبکہ اس کی لذت سب لذتوں سے زائد ہے (۴) کثرت جماع۔

اس سے معلوم ہوا کہ صوفیاء محض ترک لذات نہیں کراتے بلکہ اصلاح قوت بہیمیہ (۱) کراتے ہیں۔ اگر ان کا مقصود ترک لذات ہوتا تو کثرت وقاع سے پہلے منع کرتے ۔غرض بیوی اس لحاظ سے بھی قابل قدر ہے کہ اس سے دین کی حفاظت اور خیالات فاسدہ کی روک ہوتی ہے۔ اس درجہ میں وہ بڑی محسن ہے جو لوگ دیندار ہیں وہ اس احسان کی قدر کرتے ہیں۔

بیوی کا خیال و دلداری

مولانا محمد مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرس مظاہر العلوم کی یہ حالت تھی کہ ان کی بیوی بوڑھی ہوگئی تھی مگر مولانا کو ان سے ایسا تعلق تھا کہ جب وہ ذرا بیمار ہوتیں تو مولانا فوراً مدرسہ سے رخصت لے کر خود اپنے ہاتھ سے ان کی خدمت کرتے تھے۔ آج کل تو بعض لوگ بوڑھی بیوی سے نفرت کرنے لگتے ہیں حالانکہ تم ہی نے تو اس کو بوڑھا کیا ہے مگر مولانا کی یہ حالت تھی کہ نوکروں اور ماماؤں پر اپنی بیوی کی خدمت کو نہ ڈالتے تھے بلکہ مدرسہ سے رخصت لے کر خود خدمت کرتے تھے۔ اسی لیے تو علماء کو لوگ بیوی کا مرید کہتے ہیں مگر جی ہاں ان کا مرید ہونا تمہاری طرح پیر ہونے سے اچھا ہے۔ تم بیویوں کے پیر ہو مگر ڈاکو پیر ہو اور اصل یہ ہے کہ مولوی بیویوں کے مرید نہیں ہیں بلکہ ان کے دل میں خدا کا خوف ہے۔ وہ حقوق العباد کو ادا کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ بیوی کے حقوق نصوص میں انکی نظر سے گزرے ہوئے ہیں۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشرت کا حال انہوں نے پڑھا ہے اس لیے وہ بیوی کے ساتھ نرمی اور ملاطفت کرتے ہیں ان کو راحت پہنچاتے ہیں بلکہ جتنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا ہے اتنا تو کوئی مولوی کر بھی نہیں سکتا اور اگر کوئی ویسا کرنے لگے تو نامعلوم لوگ اس کو زن مرید سے بڑھ کر کیا خطاب دیں گے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک بار دوڑے تو اس وقت وہ ہلکی پھلکی تھیں۔ آپ سے وہ آگے نکل گئیں، اس کے بعد کچھ عرصے میں دوبارہ پھر آپ ان کے ساتھ دوڑے اس وقت حضرت عائشہ بھاری پڑ گئی تھیں اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱) انسان میں موجود حیوانی قوت کی اصلاح کراتے ہیں۔

آگے نکل گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تلك بتلك یہ پہلی بار کا بدلہ ہے۔ میں نے ایک مولوی سے جو بڑے وقار و تمکنت سے رہتے تھے کہا تھا کہ تم نے جس چیز کا نام وقار رکھا ہے یہ تکبر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ تمہاری طرح کے وقار سے نہ رہتے تھے۔ بتلاؤ کیا تم بھی کبھی اپنی بیوی کے ساتھ دوڑے ہو پس چپ ہو گئے، اس کا کچھ جواب نہ تھا میں نے کہا بس رہو، وقار وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی معاشرت کے موافق ہو اور جو اس کے خلاف ہو وہ وقار نہیں تکبر ہے۔

غرض مولوی اس واسطے اپنی بیویوں کی خاطر زیادہ کرتے ہیں کہ ان کی نگاہ میں رسول اللہ ﷺ کی معاشرت ہے۔ پھر بیوی کی خاطر کرنے میں دنیا کی بھی تو بڑی مصلحت ہے اوّل بات تو یہ ہے کہ اس سے زندگی لطف سے گزرتی ہے۔ ایک دوسرے کی راحت و رنج کا شریک ہوتا ہے اور اگر میاں بیوی میں موافقت اور بے تکلفی اور انشراح نہ ہو تو پھر زندگی کا کیا لطف ہے جہاں ہر وقت جوتم پیزار[1] ہو وہاں کوئی خوشی نہیں۔

در خرمی بر سرائے بہ بند کہ بانگ زن ازوے برآید بلند[2]

لطف تو اسی میں ہے کہ آدمی دن بھر تھکا ماندہ گھر میں جائے تو گھر والوں کی باتوں سے جی خوش کرے وہ اس کو راحت دیں۔ یہ ان کی راحت کا خیال کرے اور یہ کیا زندگی ہے کہ دن بھر تو کام میں تھکے اب شام کو گھر جا کر بھی رنج و غم ہی کی باتیں کی جائیں مگر آج کل لوگوں کے مذاق بگڑ گئے ہیں، بے حسی چھا گئی ہے۔ وہ اسی حالت میں رہنا پسند کرتے ہیں مگر جن کو ذرا بھی حس ہے وہ تو اس کو دنیا ہی میں دوزخ سمجھتے ہیں اور جن کی معاشرت گھر والوں کے ساتھ عمدہ ہے واقعی ان کو دنیا ہی میں جنت نصیب ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے رابا کسے کارے نباشد[3]

یعنی کار ایذاء نباشد، اور سعدی فرماتے ہیں

زن خوب فرماں برو پارسا کند مرد درویش را پادشاہ
ہمہ روز اگر غم خوری غم مدار چو شب غمگسارت بود درکنار[4]

(۱) فریقین کا ایک دوسرے کو جوتے مارنا (۲) ''اس گھر پر خوشی کا دروازہ بند کر کہ اس سے عورت کی آواز بلند آئے'' (۳) ''وہ جگہ بہشت ہے جہاں کوئی تکلیف نہ ہو کسی سے کوئی کام نہ ہو'' (۴) ''اچھی عورت، فرمانبردار، پارسا، فقیر کو بھی بادشاہ کر دیتی ہے تمام روز اگر تکلیف اٹھائے غم نہ کر جبکہ رات میں تیرا غمگسار بغل میں ہو''۔

بیوی کی اہمیت

صاحبو! یہ راز ہے اہل اللہ کی دل جوئی میں وہ اس لیے اپنے گھر والوں کو راحت پہنچاتے ہیں تاکہ زندگی لطف کے ساتھ گزرے اور واقعی خدا تعالیٰ نے یہ تعلق ہی ایسا بنایا ہے کہ بیوی سے زیادہ کوئی بھی انسان کو راحت نہیں دے سکتا، بیماری میں بعض دفعہ سارے عزیز الگ ہوکر ناک منہ چڑھانے لگتے ہیں خصوصاً اگر کسی کو دستوں کی بیماری ہوجائے مگر بیوی سے یہ کہیں نہیں ہوسکتا کہ وہ شوہر کو اس حال میں بھی چھوڑ دے وہ بیماری میں سب سے زیادہ راحت پہنچاتی ہے۔

شاہ جہانپور میں ایک رئیس نے بڑھاپے میں شادی کی تھی ان کے لڑکوں نے اعتراض کیا کہ تم کو اس عمر میں شادی کی کیا ضرورت ہے، خدمت کے لیے تو آپ کی اولاد بہت تھی، کہا تم نہیں جانتے بیوی کے برابر مجھے کوئی راحت نہیں دے سکتا، اتفاق سے وہ ایک بار بیمار ہوئے اور دست لگ گئے تو سارے لڑکے اور بہو بیٹیاں چھوڑ کر الگ ہوگئے اور بدبو کی وجہ سے کوئی بھی پاس نہ آتا تھا مگر بیوی اس وقت بھی خدمت گزار تھی وہ بیچاری ہر وقت سہارا لگا کر بٹھاتی، کپڑوں کو دھوتی، صاف کرتی تھی، پھر وہ بیماری سے شفایاب ہوئے تو لڑکوں کو بلایا اور کہا تم نے اپنی خدمت کا حال دیکھ لیا، اسی کے بھروسے پر مجھے کہتے تھے کہ تمہیں شادی کی کیا ضرورت ہے، اب تم نے ضرورت دیکھ لی اگر اس وقت میری بیوی نہ ہوتی تم چھوڑ کر الگ ہوگئے تھے، میں اکیلا پڑا سڑتا رہتا۔

حقیقت میں بیماری کے اندر بہو بیٹیاں ہرگز وہ کام نہیں دے سکتیں جو بیوی دے سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ راحت اسی تعلق میں رکھی ہے اس لیے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب نے اپنی پہلی بیوی کے انتقال پر اخیر عمر میں پھر شادی کی تھی حالانکہ اس وقت مولانا کی عمر سو برس سے اوپر تھی کہ بیوی سے دنیا کی راحت پہنچتی ہے۔ دین کی راحت یہ ہے کہ گھر کے انتظام سے بے فکری ہوجاتی ہے جس سے قلب کو فراغ و اطمینان حاصل ہوجاتا ہے، تجربہ ہے کہ بدون بیوی کے گھر کا انتظام درست نہیں ہوسکتا، بس مرد کا کام تو اتنا ہے کہ یہ مادہ جمع کردیتا ہے، پھر ہیئت عورتوں ہی سے بنتی ہے۔ میں نے بعض

رؤسا کو دیکھا ہے کہ مال و دولت ان کے پاس بہت کچھ تھا مگر بیوی نہ تھی تو ان کے گھر کا کچھ بھی ڈھنگ نہ تھا۔ لاکھ باورچی رکھو وہ راحت کہاں جو بیوی سے ہوتی ہے۔ باورچی تو تنخواہ کا ملازم ہے، ذرا ایک دن تم نے سخت بات کہہ دی اور وہ ہاتھ جھاڑ کر الگ ہوا پھر مصیبت کا سامنا ہے، پکاؤ روٹی اپنے ہاتھ سے اور چولہا جھونکو، برتن دھوؤ اور بیوی سے یہ کب ہوسکتا ہے کہ مرد کو اپنے ہاتھ سے پکانے دے۔

پھر تجربہ ہے کہ اگر بیوی کے سامنے بھی نوکروں سے کام لیا جائے اور بغیر بیوی کے بھی ان سے کام لیا جائے تو دونوں صورتوں میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ گھر کی مالک کے سامنے مامائیں اور نوکر زیادہ چوری نہیں کرسکتے اور اس کے بغیر تو گھر کا پٹڑا ہوجاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی مرد گھر کا کام خود بھی جانتا ہے تو نوکر ذرا دبتے ہیں گو عورت جیسا کام تو پھر بھی نہیں ہوتا، مگر پھر بھی زیادہ سرکشی نہیں کرسکتے۔

حضرت تھانویؒ کے والد کا قصہ

اس پر مجھے اپنے والد صاحب کا قصہ یاد آیا کہ جب میرٹھ میں والد صاحب ملازم تھے تو ایک بار سفر میں باورچی کو کھانا پکانے کے لیے ساتھ لے گئے۔ ایک دفعہ والد صاحب اس پر کچھ خفا ہوئے اور کھانا پکانے والے کو جواب دے دیا وہ بھی بیچ میں کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا کہ لیجئے میں جاتا ہوں، اپنے نزدیک تو اس نے یہ سوچا تھا کہ اب منشی جی میری خوشامد کریں گے اور کم از کم اس وقت کے لیے کھانا پکادینے کو تو ضرور کہیں گے مگر والد صاحب نے اسی وقت اس کا حساب کردیا اور کہا جاؤ رخصت، وہ باورچی تھوڑی دیر کھڑا رہا کہ دیکھوں یہ کھانا پکانے کا اس وقت کیا انتظام کرتے ہیں، والد صاحب نے اسی وقت آستیں چڑھائی اور ہاتھ دھوکر چولہے پر جا بیٹھے اور روٹیاں پکانا شروع کیں تو بہت عمدہ پکائیں، نامعلوم کہاں سے سیکھ لیا تھا، بس یہ دیکھ کر باورچی قدموں میں گر پڑا کہ میری خطا معاف کردو، والد صاحب نے فرمایا کہ نالائق تو نے یہ سمجھا ہوگا کہ اب میں تیری خوشامد کروں گا، خدا کا شکر ہے مجھے سارے کام آتے ہیں، میں صرف آسانی کے لیے دوسروں سے کام لے لیتا ہوں نہ اس لیے کہ مجھے کچھ آتا نہیں۔

والد صاحب کو سینا پرونا بھی آتا تھا اور اپنے سب کام خود کرلیا کرتے تھے، کسی بات سے عار نہ تھا، ایک بار والد صاحب تھانہ بھون میں تشریف لائے تو برسات کی وجہ سے گھر کی چھتوں پر گھاس بہت کھڑا تھا، والد صاحب نے کھرپا اپنے ہاتھ میں لیا اور کوٹھے پر تشریف لے گئے اور مجھ سے بھی کہا کہ آؤ میاں اشرف علی ہم خود گھاس اکھاڑیں گے، غرض تھوڑی دیر میں سب چھتیں صاف کردیں۔

تو کوئی شخص ایسا صاحب ہمت ہو جو سب کام کرسکتا ہو وہ تو شاید بیوی کے بغیر پریشان نہ ہو مگر ایسے بہت کم ہیں، زیادہ وہی ہیں جو نوکروں کو جواب دینے پر پریشان ہوجاتے ہیں اس لیے بیوی کی قدر کرنا چاہیے کہ وہ دنیا اور دین دونوں کی معین ہے اور اس کے حقوق کی رعایت بہت زیادہ ضروری ہے کیونکہ اس میں چند در چند خصوصیات ہیں جن میں سے ہر ایک کے بہت سے حقوق ہیں چونکہ آج کل لوگ عورتوں پر بہت ظلم کرتے ہیں اس لیے میں نے اس پر تنبیہ کرنا ضروری سمجھا۔

آیت کا ترجمہ وتفسیر

اب میں آیت کا ترجمہ کرتا ہوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: إِنَّمَا ٱلسَّبِيلُ عَلَى ٱلَّذِينَ يَظْلِمُونَ ٱلنَّاسَ وَيَبْغُونَ فِى ٱلْأَرْضِ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۱) عبارت النص اور مسوق لہ الکلام (۲) تو اس آیت میں انتقام کے وقت ظلم کی وعید کا بیان کرنا ہے مگر اشارۃ ابتداء ظلم کو بھی شامل ہے (۳)۔ خواہ انتقام میں ہو یا نہ ہو کیونکہ الفاظ آیت میں عموم ہے اور اسی لیے میں نے اپنی تفسیر میں تعمیم پر تنبیہ کردی ہے بلکہ اشارہ کے ساتھ دلالت بھی تحریم ظلم پر دال ہے (۴) اور یہ بات بہت ہی ظاہر ہے کیونکہ انتقاماً ظلم کا حرام ہونا ابتداء ظلم کی حرمت کو بدرجہ اولی مستلزم ہے کیونکہ انتقام کے وقت انسان کو جوش غضب ہوتا ہے اس لیے کہ پہلے دوسرے کی طرف سے ظلم ہو چکا ہے اور جوش میں حد سے بڑھ جانا مستبعد (۵) نہیں بلکہ حد پہ قائم رہنا بھی بڑی ہمت کا کام ہے

(۱) ''بس الزام تو ان ہی لوگوں پر ہے جو آدمیوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق تکبر کرتے ہیں''۔ سورۃ الشوریٰ: ۴۲ (۲) قرآن کی عبارت اور جس مقصد کے لیے یہ کلام ذکر کیا گیا ہے وہ تو انتقام کے وقت ظلم کرنے پر وعید ہے (۳) مگر اس سے اشارۃً ابتداءً ظلم کرنے کی ممانعت بھی مفہوم ہوتی ہے (۴) بلکہ دلالت النص سے ظلم کی حرمت معلوم ہوتی ہے (۵) کچھ بعید نہیں

تو جب مقام عذر میں بھی ظلم کی اجازت نہیں تو جہاں کوئی سبب اور عذر بھی نہ ہو تو ظلم کی اجازت کیونکر ہوسکتی ہے لہٰذا دلالۃ النص سے بھی یہ آیت ابتداء ظلم کو شامل ہے اس کے بعد فرماتے ہیں: وَيَبْغُونَ فِي ٱلْأَرْضِ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ (۱) یہ اس لیے بڑھایا کہ بتلادیا کہ ظلم کا منشاء اور سبب تکبر ہے چنانچہ میں نے کہا تھا کہ حقوق العباد کے عدم اہتمام کا ایک سبب ہے وہ یہ کہ لوگوں نے تاکید حق کا سبب صرف عظمت میں منحصر کرلیا ہے جس کی عظمت دل میں ہے اس کے حقوق تو ادا کرتے ہیں اور جس کی عظمت قلب میں نہیں اس کے حقوق کو ادا نہیں کرتے اور کسی کی عظمت نہ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اس کو اپنے سے حقیر سمجھا جاتا ہے۔

تکبر کا علاج

یہی حاصل ہے تکبر کا اسی کو حق تعالیٰ نے یبغون میں بیان فرمایا اور چونکہ تکبر کا مذموم ہونا عقلاً ونقلاً سب کو مسلم ہے لہٰذا اس کا علاج بھی ضروری ہوا، آگے حق تعالیٰ نے فی الارض میں علاج بتلایا ہے، حق تعالیٰ کی بھی عجیب تعلیم ہے کہ بیماری کے ساتھ ساتھ دوا بھی بتلاتے ہیں، تمام قرآن کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جہاں کسی مرض کو بیان فرمایا ہے وہاں ساتھ ساتھ علاج بھی بتلادیا ہے بس وہ شان ہے کہ

درد از یارست ودرماں نیز ہم دل فدائے اوشد وجاں نیز ہم (۲)

حق تعالیٰ نے کائنات میں بھی یہی طرز رکھا ہے کہ جو چیز کسی بات کو مضر ہے اس کے پاس ہی مصلح بھی موجود ہے ایک سیاح کہتے تھے کہ ایک گھاس سخت زہریلی ہے جس کا نام بچھو ہے اگر کسی کو لگ جائے تو بچھو کے کاٹے کی سی لہر دوڑ جاتی ہے مگر اس کے پاس ایک دوسری گھاس بھی پیدا ہوتی ہے وہ اس کا تریاق ہے کہ جہاں اس کو ملا فوراً تکلیف زائل ہوگئی۔ اسی طرح یہاں فی الارض میں علاج کبر پر تنبیہ کی گئی ہے کہ حیرت کی بات ہے کہ زمین پر رہ کر اور مٹی سے پیدا ہو کر تکبر کرتے ہو، ذرا سوچو تو تمہاری اصل کیا ہے یہی زمین تمہاری اصل ہے جس پر آدمی اور جانور چلتے پھرتے، پیشاب، پاخانہ کرتے ہیں۔ یہ تمہاری ماں ہے پس تم کو تو خاک بن کر رہنا چاہیے، ایک دوسرے مقام

(۱) اور ناحق سرکشی وتکبر کرتے ہیں زمین میں" (۲) "مرض بھی دوست کی طرف سے اور اس کا علاج بھی، دل بھی اس پر فدا ہے اور جان بھی"۔

پر بھی حق تعالیٰ نے اس بات پر تنبیہ کی ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى (۱) اس میں بھی مراقبہ ارض کی تعلیم ہے کہ ہم نے تم کو زمین ہی سے پیدا کیا اور اسی میں لوٹا دیں گے کہ مر کر سب خاک ہو جاؤ گے، سارا بدن گل سڑ جائے گا، پھر کس بات پر تکبر کرتے ہو؟ واقعی تکبر کا یہ عجیب علاج ہے، پس ہم کو اس سے کام لینا چاہیے اور زمین کی حالت میں تفکر کرنا چاہیے اس کو سعدی نے لیا ہے۔

زخاک آفریدت خداوند پاک پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک (۲)

افسوس ہماری ماں کی تو یہ حالت ہے کہ وہ سب کے پاؤں کے تلے ہے اور ہماری یہ حالت ہے کہ آسمان پر چڑھے جاتے ہیں۔ صاحب یہ سارا ناز اسی وقت تک ہے جب تک خدا کی نعمتیں ہمارے پاس ہیں۔ اگر ایک نعمت بھی چھن جائے تو سارا ناز خاک میں مل جائے۔ آخر مجنون میں کس بات کی کمی ہو جاتی ہے جو اس کو جانور سے بدتر سمجھنے لگتے ہو بس دماغ میں کمی ہو جاتی ہے مگر دیکھ لیجئے پھر کیا حشر ہوتا ہے۔

ہمارے ایک دوست کو فالج ہو گیا حالانکہ وہ بہت بڑے عالم تھے مگر دماغ پر فالج پڑنے سے سارا علم غتر بود ہو گیا، الحمد للہ تک بھول گئے تھے، افاقہ کے بعد بچوں کی طرح ان کو الحمد یاد کرائی گئی تو ان کے بھائی کو بڑی خوشی ہوئی اور مٹھائی بانٹی گئی جیسے بچوں کی بسم اللہ میں مٹھائی بانٹی جاتی ہے۔ پھر انسان کا ہے پر تکبر کرتا ہے یہ سب چیزیں خاک میں ملنے والی ہیں، فی الارض میں اس پر متنبہ کیا گیا ہے! زمین میں رہ کر تکبر کرتے ہو تم کو شرم نہیں آتی۔

اس کے بعد ''بغیر الحق'' دونوں کے لیے واقعی قید ہے ظلم کے لیے بھی اور بغی کے لیے بھی کیونکہ ظلم اور تکبر دونوں بغیر الحق اور ناحق ہی ہوتے ہیں۔ اس میں تصریحاً یہ بات بتلادی کہ تم کو تکبر اور ظلم کا کچھ حق نہیں ہے پھر ناحق کیوں ظلم کرتے ہو اور گو اس کے بیان کی ضرورت نہ تھی مگر اس کی تصریح اس لیے کر دی کہ بعض لوگ اپنی

(۱) ''اس سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے'' سورۂ طٰہٰ: ۵۵ (۲) ''خداوند تعالیٰ نے تجھ کو خاک سے پیدا کیا پس اے بندہ مثل خاک فروشی کر''۔

جہالت کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو تکبر کا حق ہے کیونکہ خدا نے ہم کو بڑا بنا دیا ہے اس لیے تصریحاً بتلا دیا کہ خدا نے تو تم کو زمین سے پیدا کیا اور زمین میں رہنے کا حکم دیا ہے تم کو آسمان پر چڑھنے کا کیا حق ہے۔

ظالموں کا انجام

آگے اس سبیل کی تعیین فرماتے ہیں کہ ظلم کرنے والوں پر جو الزام ہے اس کی صورت کیا ہوگی، فرماتے ہیں أُوْلَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۱) صاحبو! یہ ظلم کا معاملہ ایسا سخت ہے کہ جب تک بندہ اپنا حق نہ معاف کردے اس وقت تک خدا بھی معاف نہ کرے گا، خدا تعالیٰ اپنے حقوق تو معاف کردیتے ہیں مگر بندہ کے حقوق جب تک وہ معاف نہ کرے معاف نہیں کرتے یہ بہت سخت بات ہے۔

محمود غزنویؒ

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ بڑے عادل اور غازی بادشاہ تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے خواب میں ایک بڑا عالی شان خوبصورت جنت کا محل دیکھا، فرشتوں سے پوچھا کہ یہ محل کس کے واسطے ہے، کہا محمود غزنوی کے لیے ہے۔ انہوں نے کہا کہ پھر مجھے اندر جانے دو، میں اپنے محل کو دیکھوں فرشتوں نے کہا ابھی آپ کو اندر جانے کی اجازت نہیں، آپ کے ذمہ ایک مقدمہ ہے اس کا فیصلہ ہوجائے تو پھر اجازت ہوگی، پوچھا کیا مواخذہ ہے۔ تو انہوں نے ایک چابک جو دیوار میں لٹکا ہوا تھا کہ تم نے اس کوڑے سے ناحق ایک ملازم کو مارا ہے جب تک اس کا حق ادا نہ ہوجائے آپ جنت میں نہیں جاسکتے۔

بس یہ سن کر محمود رحمۃ اللہ علیہ کانپ ہی تو گئے اور گھبراہٹ سے آنکھ کھل گئی، صبح تک بیتابی کے ساتھ کروٹیں بدلتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو اس ملازم کو بلایا اور چابک اس کے سامنے ڈال دیا کہ تیرا جتنا جی چاہے مجھے اس سے مارلے اور آگے ہاتھ جوڑے کہ واللہ تو اپنا بدلہ لے لے ورنہ میں جنت سے محروم ہوجاؤں گا، اس نے کہا کہ حضور! مجھ پر ایک تو وہ ظلم ہوا تھا اس سے بڑھ کر آپ دوسرا ظلم یہ کرتے ہیں کہ مجھ سے انتقام کو فرماتے ہیں، وہ

(۱) ''ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے'' سورۂ آل عمران: ۹۱۔

قدموں میں گر پڑا اور کہا کہ میں نے جہاں پناہ کو معاف کیا۔ آپ بالکل بے فکر رہیں مگر محمود کی اس سے تسلی نہ ہوئی اس کو بہت سا انعام واکرام دیا جس سے وہ خوش ہوا تب چین پڑا۔ تو صاحب یہ ظلم ہلکی چیز نہیں ساری عبادتیں اس وقت تک ناکافی ہیں جب تک ظلم سے براءت نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے کہ ایک دانگ کے بدلے میں جو درہم کا چھٹا حصہ ہے جس کو تین پیسے سمجھ لیجیے سات سو مقبول نمازیں حقدار کو دلائی جائیں گی۔ مجھے اس روایت کی صحت وضعف کی تحقیق نہیں، ممکن ہے فقہاء کو تحقیق ہوئی ہو پھر دوسرے نصوص بھی تو اس بارہ میں موجود ہیں، غرض ہر حال میں کتنی سخت مصیبت ہوگی، اول تو ہماری نمازیں مقبول ہی کتنی ہیں پھر تین تین پیسہ کے بدلہ میں وہ بھی جاتی رہیں تو بتلایئے قیامت میں کیسی حسرت ہوگی۔

مفلس کی تعریف

حدیث مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا: ''من المفلس فیکم''(۱) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ ہمارے نزدیک مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم ودینار نہ ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر مفلس وہ ہے جس نے نمازیں بھی بہت پڑھی تھیں، روزے بھی بہت رکھے تھے، حج بھی کیا تھا، زکوٰۃ بھی دی اور صدقات بھی کیے تھے۔ ولکن قذف ھذا واخذ مال ھذا فجاء رجل فذھب بصلواتہ وجاء اخر فذھب بصیامہ (الحدیث)(۲)

مگر اس کے ساتھ اس نے کسی کو گالی دی تھی، کسی کو مارا پیٹا تھا، کسی کا مال لے لیا تھا۔ اب قیامت میں ایک آیا وہ اس کی نمازیں لے گیا، دوسرا آیا وہ روزے لے گیا، تیسرا آیا وہ حج لے گیا، چوتھا آیا وہ زکوٰۃ وصدقات لے گیا۔ پھر بھی کچھ حق دار بچ گئے اور ان کے دینے کو نیکیاں نہ بچیں تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے گئے اور یہ طاعات سے خالی ہوکر گناہوں میں لاکر جہنم میں داخل ہوا۔ یہ سب سے بڑا مفلس ہے۔ پہلی روایت میں اگر کچھ کلام ہو تو یہ حدیث تو بالکل صحیح ہے تو کیا یہ بات تھوڑی ہے کہ ذرا ذرا

(۱) ''تم مفلس کس کو سمجھتے ہو'' فتح الباری لابن حجر ۴/۱۰۹، سنن الترمذی: ۲۴۱۸ (۲) ''لیکن تہمت زنا کی اس پر لگائی، اس کا مال لے لیا، پس ایک شخص آیا تو اس کی نمازیں لے لیں، دوسرا آیا اس کے روزے لے لیے''

سے حقوق العباد کے بدلہ میں ساری کی کرائی محنت دوسروں کو مل جائے گی۔ اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ حقوق العباد من وجہ نماز روزہ سے بھی مقدم ہیں ان کا بہت اہتمام کرنا چاہیے مگر افسوس آج کل لوگوں کو ان کا بالکل ہی اہتمام نہیں۔

حقوق العباد کی تلافی کا طریقہ

اب یہاں ایک سوال ہے۔ وہ یہ کہ ایک شخص نے کسی پر ظلم کیا ہو اور کسی سے رشوت لی ہو کسی کی غیبت کی ہو اور اب وہ مر چکے ہیں یا لا پتہ ہیں تو ان کے حقوق کیونکر ادا کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں کوئی صورت لاعلاج نہیں ہے، کرنے والا ہونا چاہیے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ اول تو پوری کوشش کرے، ان لوگوں کے پتہ لگانے میں اگر ان کا پتہ لگ جائے تب تو ان کو حق پہنچائے۔ اگر معلوم ہوا کہ وہ مر گئے ہیں تو مالی حقوق ان کے ورثاء کو پہنچائے۔ اگر ورثاء کا بھی پتہ نہ لگے تو جتنی رقم تم نے ظلم ورشوت سے لی ہے اتنی رقم خیرات کر دو اور نیت کر لو کہ یہ ہم ان کی طرف سے دے رہے ہیں۔ یہ حقوق مالیہ کا حکم ہے۔

غیبت، شکایت اور جانی ظلم کی تلافی کا طریقہ یہ ہے کہ مظلوم مر گیا ہو یا لا پتہ ہو گیا ہو تو اس کے حق میں دعا کرو، نماز اور قرآن پڑھ کر اس کو ثواب بخشو اور عمر بھر اس کے لیے دعا کرتے رہو۔ ان شاء اللہ حق تعالیٰ ان کو تم سے راضی کر دیں گے جس کی صورت قاضی ثناء اللہ صاحب نے یہ لکھی ہے کہ قیامت میں مسلمانوں کو بڑے بڑے خوبصورت عالی شان محل دکھلائیں جائیں گے اور حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان محلات کا خریدار کوئی ہے اور ارشاد ہوگا کہ ان کی قیمت یہ ہے کہ جس کا جو حق کسی کے ذمہ ہو اسے معاف کر دے، اس وقت کثرت سے اہل حقوق اپنے حق معاف کر دیں گے۔ پھر سرکار کی طرف سے مثل داخل دفتر ہو جائے گی۔ قاضی صاحب اپنے زمانے کے محدث اور محقق تھے۔ انہوں نے تحقیق کر کے یہ روایت کہیں سے لکھی ہوگی، ہم کو ان پر اعتماد ہے۔

غرض معذرت کرنے والوں کی وہاں بڑی قدر ہے۔ ان کے حقوق اللہ تعالیٰ خود ادا کر دیں گے، وہاں تو اینٹھ مروڑ پر گرفت ہوتی ہے کہ باوجود ظلم وتعدی کے پھر بھی فکر نہ ہو اور ادائے حقوق کا اہتمام نہ ہو۔ اب ایک سوال اور رہ گیا وہ یہ کہ کسی نے مثلاً دس ہزار روپے سود یا رشوت میں لیے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ کس کس سے لیے ہیں۔ اب

وہ چاہتا ہے کہ اس کا حق ادا کرے تو کیونکر کرے اس لیے کہ اس وقت اس کے پاس دس ہزار روپے نہیں ہیں، ساری عمر میں جو حرام مال کھایا تھا آج ایک دن میں سب کیسے ادا کردے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے یہاں کام شروع کردینا اور ادا کا عزم کرلینا بھی مقبول ہے۔ تم اول تو صاحب حق سے معافی کی درخواست کرو، اگر وہ خوشی سے معاف کردے تب تو جلدی ہلکے ہوئے اور اگر معاف نہ کرے تو اب تھوڑا تھوڑا جتنا ہوسکے اس کا حق ادا کرتے رہو مگر یہ ضروری ہے کہ اپنے فضول اخراجات کو موقوف کردو۔ بس ضروری ضروری خرچوں میں اپنی آمدنی خرچ کرو اور اس سے جتنا بھی بچے وہ حقدار کو ادا کرو اور اگر وہ مرگئے ہوں تو ان کے ورثاء کو دو اور اگر ورثاء بھی نہ معلوم ہوں تو ان کی نیت سے خیرات کرتے رہو۔ ان شاء اللہ اول تو امید ہے کہ حق تعالیٰ ادا کردیں گے۔ حق تعالیٰ کے یہاں نیت کو زیادہ دیکھا جاتا ہے جس کی نیت پختہ ہو کہ میں حق ادا کروں گا پھر اس پر عمل بھی شروع کردے، حق تعالیٰ اس کو بالکل بری کردیتے ہیں۔

نیت کی برکات

صاف نیت وہ چیز ہے کہ جنت میں جو آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے، معلوم بھی ہے یہ کس چیز کی برکت ہے یہ نیت ہی کی تو برکت ہے کیونکہ عمل تو انسان زندگی بھر کرتا ہے۔ اس کا صلہ بہت سے بہت یہ تھا کہ ہزار دو ہزار سال تک بہشت میں رہنا ہوجاتا، عمل محدود کی جزاء عقلاً محدود ہوتی ہے مگر یہ غیر محدود جزاء آپ کی نیت ہی کی وجہ سے ہے کہ مسلمان کو عمل کرتا ہے، محدود زمانہ میں مگر اس کی نیت ہوتی ہے کہ اگر میں ابد تک بھی زندہ رہوں تو ہمیشہ اسلام واعمال صالحہ پر جما رہوں گا اس لیے ان کی جزاء بھی دائمی ہے اور یہی راز ہے، کفار کے عذاب دائمی کا کیونکہ وہ بھی گو زمانہ محدود تک کفر کرتے ہیں مگر نیت ان کی یہی ہوتی ہے کہ ابدالآباد تک بھی زندہ رہیں گے تو اسی طریقے پر جمے رہیں گے۔ پس نیت کو آپ حقیر نہ سمجھیں، ثواب ابدی کے مستحق آپ اسی وجہ سے ہیں۔ لہٰذا اسی وقت سے ادا حقوق کا اہتمام شروع کردو اور نیت پختہ کرلو کہ ادا کرکے رہیں گے اور تھوڑا تھوڑا ادا کرتے رہو۔ ان شاء اللہ پھر آپ اس بوجھ

سے ہلکے ہوجائیں گے ورنہ یاد رکھئے کہ حق دار قیامت میں آپ کی بوٹیاں کھالیں گے اور ساری نیکیاں چھین لیں گے۔ نیز حدیث میں آتا ہے کہ ''الظلم ظلمات یوم القیامۃ'' (کہ ظلم کے لیے قیامت میں بہت ظلمتیں ہیں) خدا اس سے محفوظ رکھے۔

اب میں ختم کرتا ہوں، بحمد للہ اس وقت حقوق العباد کی تفصیل اور توضیح کافی ہوچکی ہے اشکالات کا حل بھی ہوگیا ہے۔ اب کسی کے پاس کوئی عذر نہیں رہا۔

جو اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اس بت کو خدا سمجھے

حدیث میں ہے کہ حقوق کو دنیا ہی میں ادا کردو یا معاف کرالو، پہلے اس دن کے جس دن روپیہ پیسہ کچھ نہ ہوگا۔ اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو توفیق دیں اور فہم سلیم عطا فرماویں۔

وصلی اللّٰہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ واصحابہ وسلم تم بحمد اللّٰہ وبنعمتہ وجلالہ تتم الصالحات واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین (۱)

(۱) اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے امین۔

خلیل احمد تھانوی

۱۸/۱۲/۲۰۲۱

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی: ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاہور

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور کا بڑا اعزاز ہے کہ سعودی عرب میں منعقد عالمی مسابقہ حسن قراءۃ واذان کی ججمنٹ کے لیے جن 12 مشائخ قراء کرام کا انتخاب ہوا اُن میں پاکستان سے نمائندگی مہتمم جامعہ ہٰذا حضرت ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی صاحب زید مجدہٗ نے فرمائی چنانچہ 17 مارچ تا 20 اپریل 2022ء سعودی عرب میں قیام رہا۔ اس مسابقہ کے ابتدائی مراحل میں 162 ممالک کے 40 ہزار شرکاء نے آن لائن رجسٹریشن کروائی جن میں سے 100 بہترین قراء کا انتخاب ہوا جو ریاض سعودی عرب میں مسابقہ میں شریک ہوئے آخری مرحلہ مسابقہ تلاوت میں پہلا انعام 50 لاکھ سعودی ریال، دوسرا انعام 20 لاکھ، تیسرا انعام 10 لاکھ، چوتھا انعام 5 لاکھ، جبکہ اذان کے مسابقہ میں پہلا انعام 20 لاکھ دوسرا انعام 10 لاکھ، تیسرا انعام 5 لاکھ، چوتھا انعام ڈھائی لاکھ سعودی ریال پوزیشن ہولڈر کو دیئے گئے۔

اِس مبارک سفر میں عمرہ وحج وزیارتِ مقدّسہ کی سعادت کے ساتھ ساتھ حرمین شریفین میں بہت سے طلباء نے آپ سے سند اجازت بھی حاصل کی اور اپنے استاذ مکرم وامامِ حرمِ نبوی الشیخ علی عبدالرحمن الحذیفی ودیگر ائمۃ حرم ومؤذنین حرم سے خصوصی ملاقات رہی۔ مؤذنین حرم کے ساتھ مسابقہ کے تمام ججز حضرات کو روضۂ اقدس پر خصوصی حاضری اور ریاض الجنۃ میں نوافل ادا کرنے کے لیے کو خصوصی وقت دیا گیا۔

خاص طور پر مکین جنت البقیع وسابق شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ ہٰذا حضرت مولانا مشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کی آرام گاہ پر حاضری دی وبلندی درجات کی دعائیں مانگیں اور وطن عزیز کی سالمیت وجامعہ ہٰذا کے تمام متعلقین ومحبین کے لیے خصوصی دعائیں فرمائیں۔

❁ نئے تعلیمی سال کا آغاز 11 مئی 2022ء بروز بدھ بمطابق 9 شوال افتتاحِ بخاری سے ہوگا۔ قدیم طلباء کا داخلہ 5 تا 8 شوال 1443ھ بمطابق 11 مئی بروز منگل تک مکمل کرلیا جائے گا۔